ماہنامہ
راہ اسلام
شمارہ ۱۷۳-۱۷۴، ستمبر-اکتوبر ۱۹۹۸ء

مولود کعبہ حضرت علی علیہ السلام کی تاریخ ولادت
(۱۳ رجب) مبارک ہو.
میلاد خاتون جنت، سیدۂ نساء العالمین
حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا
(۲۰ جمادی الثانی) مبارک ہو.

قَالَ رَسُولُ اللہ (ص)

اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ: میں اور علی (ع) ایک ہی نور سے ہیں.

اِنَّ فاطِمَةَ بَضْعَةٌ مِنّي وهِيَ نُورُ عَيْنِي: فاطمہ میرا جزو اور میری آنکھوں کا نور ہے.

مسلمان خواتین کو چاہئے کہ وہ اپنی ذاتی، سماجی، خاندانی اور گھریلو زندگی میں دانشمندی و فرزانگی اور عقل و معرفت کے میدان میں حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) کو سرمشق اور نمونۂ عمل قرار دیں اور عبادت، مجاہدت، میدان عمل میں سرگرمی، عظیم سماجی فیصلوں نیز خانہ داری، شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری اور صالح و نیک کردار اولاد کی تربیت و پرورش کے سلسلے میں حضرت زہرا (س) کی پیروی کریں کیونکہ مذہب اسلام کی عظیم خاتون کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان عورت علم و عبادت، شوہر داری اور بچوں کی تربیت و پرورش کے ساتھ ساتھ میدان سیاست میں داخل ہونے، دوسرے کام انجام دینے اور سماجی امور و مسائل میں نمایاں کردار ادا کرنے میں حضرت فاطمہ زہرا (س) کی پیروی کر سکتی ہے اور پیغمبر اکرمؐ کی دختر گرامی کو اپنے لئے نمونہ عمل قرار دے سکتی ہے۔

(رہبر معظم، حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای)

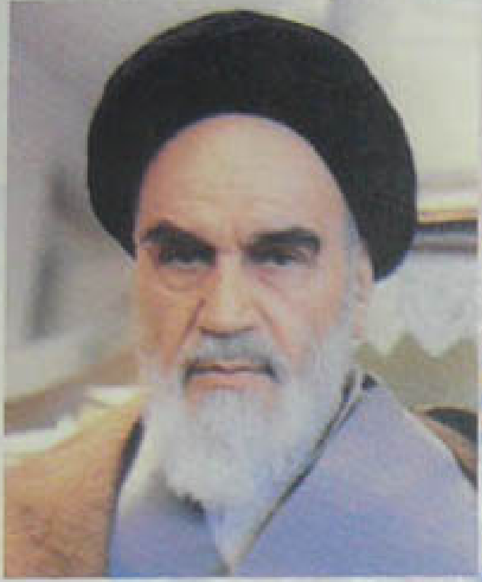

سراپائے سعادت حضرت صدیقۂ طاہرہ (سلام اللہ علیہا) کا یوم ولادت در حقیقت "یوم خواتین" کے انتخاب کے لئے سب سے زیادہ مناسب دن ہے۔ میں اس موقع پر جملہ محترم خواتین کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ آپ (س) کی ولادت باسعادت ایسے زمانے اور ماحول میں واقع ہوئی جب عورت کو انسان نہیں سمجھا جاتا تھا اور اس کا وجود، دور جاہلیت کی مختلف اقوام کی نظر میں، اس کے خاندان کی ذلت و رسوائی کا باعث ہوا کرتا تھا۔ ایسے فاسد اور وحشت ناک ماحول میں مذہب اسلام کے عظیم الشان پیغمبرؐ نے عورت کو نجات عطا کی۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ اپنی بیٹی کا غیر معمولی احترام کیا کرتے تھے اور اس احترام کے ذریعہ لوگوں پر یہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ انسانی معاشرہ میں عورت کو خصوصی مقام و مرتبہ حاصل ہے اور یہ خصوصی مرتبہ اگر مردوں سے زیادہ نہیں ہے تو کسی اعتبار سے ان سے کم بھی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ دن عورت کی تجدید حیات اور معاشرہ میں اس کے عظیم کردار کی ابتدائی شناخت و معرفت کا دن ہے۔

(بانی جمہوری اسلامی ایران، امام خمینیؒ)

ماہنامہ
راہ اسلام

شمارہ ۱۷۳-۱۷۴-ستمبر-اکتوبر ۱۹۹۸ء

اس شمارے میں

اداریہ.... اسلام اور ہماری ذمہ داریاں.......... ۲
زندگانی پیغمبر اسلامؐ.......... از: استاد جعفر سبحانی .. ۴
حضرت علیؑ کی حکومت اور اس کا نظام کار.......... از: محمد باقر انصاری .. ۹
یا علیؑ (نظم).......... از: دیوان احمد علی راجؔ .. ۱۱
اردو شاعری میں تذکرۂ فاطمہ زہراؑ.......... از: ڈاکٹر رفیعہ شبنم عابدی .. ۱۲
سیرت حضرت فاطمہ زہراؑ.......... از: غلام علی پمپوش .. ۱۹
نذرانۂ عقیدت (نظم).......... از: بانو طاہرہ .. ۲۰
امام خمینیؒ کی سیاسی زندگی.......... از: محمد حسن رجبی .. ۲۱
خواتین کے نام.......... آیت اللہ تسخیری کا پیغام .. ۲۶
اسلام میں پردے کا فلسفہ.......... از: استاد شہید مرتضیٰ مطہری .. ۲۸
ایران میں مساجد کی تعمیر کا ارتقاء (مساجد اور فن معماری) ۳۶
ہندستان میں فارسی ادب.......... از: پروفیسر سید جعفر رضا .. ۴۱
اسلامی فنون لطیفہ.......... از: ٹائٹس برکہارٹ .. ۴۷
اہم خبریں.......... ۵۰
آپ کا صفحہ.......... ۵۱
انگریزی زبان میں مضامین.......... ۵۲

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مقالے کا جمہوری اسلامی ایران کے نظریات کا مظہر ہونا لازمی نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر:

محمد رضا باقری

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران
۱۸-تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱
فون: ۴-۳۳۸۳۲۳۲

☆☆☆☆☆

اداراتی و دیگر معلومات کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر بھی رابطہ کیا جاسکتا ہے:

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران
۳۳-مہارشی کروے روڈ
(ایم-کے-روڈ)
بالمقابل چرنی روڈ ریلوے اسٹیشن-بمبئی

اعلیٰ پرنٹنگ پریس
۶۵۲-گلی سوداگران، بلی ماران، دہلی-۶

اداریہ:

اسلام اور ہماری ذمہ داریاں

خداوند عالم کے آخری دین کی حیثیت سے اسلام مجموعی اعتبار سے ان سبھی قوانین کا حامل ہے جو دنیائے بشریت کے لئے لازمی اور ضروری ہیں اور اس میں وہ تمام صفات و خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں جن کے ذریعہ عالمی انسانی معاشرہ کو امن و سلامتی کے ساتھ آخری منزل تک پہنچایا جاسکتا ہے اور بنی نوع انسان کے تمام فطری تقاضوں اور مطالبوں کو بخوبی پورا کیا جاسکتا ہے اور الٰہی مقصد تک پہونچنے میں اس کی بھرپور ہدایت و رہنمائی کر سکتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ الٰہی مقصد تک پہونچنے میں مسلمانوں کو بہر حال مختلف النوع مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا اور اس سلسلے میں مسلمانوں بالخصوص علماء دین کے کندھوں پر یہ خصوصی ذمہ داری ہوگی کہ وہ ان مسائل و مشکلات کا حل تلاش کرتے ہوئے اسلام کے مناسب نمونوں کو دنیا والوں کے سامنے پیش کریں اور یہ بات اسی وقت ممکن ہوگی جب وقت اور موقع و محل کو نگاہ میں رکھتے ہوئے قدم اٹھایا جائے۔ لہٰذا ان حالات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یہ علماء کی رسالت و ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں عالمی اور اسلامی معاشرہ کے سامنے موجودہ مسائل کا حتمی اور عملی حل پیش کریں۔

دوسری طرف اسلام ہمیشہ ایسے جانی اور خطرناک دشمنوں کے نرغے میں گھرا رہا ہے جو مختلف ادوار میں، مختلف انداز سے اس کی نابودی کے خواہاں تھے اور ان کی اس دشمنی کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے مثلاً فوجی، سیاسی، سماجی اقتصادی اور ثقافتی عداوت و دشمنی!

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام دشمن طاقتوں نے ثقافتی شعبوں میں مسلمانوں کی موجودیت کو اپنے مہلک حملوں کا نشانہ بنا رکھا ہے اور ان کے حملوں کی بدترین شکل یہ ہے کہ دشمن اپنے اور اپنے دوستوں و ساتھیوں کے لئے ایک ایسے محاذ کی تشکیل کرے جس میں وہ قلیل و طویل المدت حکمت عملی کو بروئے کار لا سکے کبھی دشمن کے یہ ساتھی اپنے مغربیت زدہ محاذ پر صف آراء دکھائی دیتے ہیں اور کبھی یہ ایسے مقدس نما عالم دین کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں جو اپنی کم علمی و کج فہمی اور سطحی معلومات کی بنیاد پر عالمی انسانی معاشرہ میں نہایت بے شرمی کے ساتھ یہ پروپگنڈہ کرتے ہیں کہ مختلف ادوار میں اسلام مختلف النوع انسانی تقاضوں اور مطالبوں کو پورا کرنے سے عاجز و قاصر ہے اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام کے حقیقی علماء کے لئے سب سے زیادہ مشکل کام ان نام نہاد مقدس نما افراد سے ٹکرانا رہا ہے جو بعض مسائل میں نہایت سختی سے کام لیتے ہیں۔

اتحاد بین المسلمین کے منادی کی حیثیت سے جمہوری اسلامی ایران نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے باہمی اتحاد کی بھرپور حفاظت کرنی چاہئے۔ اس سلسلے میں ایران کی حتی الامکان کوشش یہ رہی ہے کہ مسلمان باہمی اتحاد اور اسلامی اخوت و برادری کی اہمیت و قدر و قیمت سے بخوبی واقف و آگاہ رہیں اور اسلامی معاشرہ میں عملی اتحاد کی تشکیل کے لئے کوشاں رہیں۔

لیکن جب ایک مسلمان ملک کی ایک جماعت، اسلام کے نام پر جملہ بین الاقوامی، انسانی اور اسلامی قوانین کی پامالی میں ہمہ تن

سرگرم دکھائی دیتی ہے، اتحاد بین المسلمین پر کوئی عقیدہ و ایمان نہیں رکھتی ہے، فقط خود کو حقیقی اسلامی جماعت تصور کرتی ہے اور اپنے ہم قوم مسلمان نوجوانوں، کم سن بچوں اور بے سہارا عورتوں پر قطعی رحم نہیں کرتی ہے اور اپنے مہمانوں کا علانیہ قتل عام کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ توان حالات کی روشنی میں کیا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ جماعت ہر وہ کام انجام دینے میں سرگرم ہے جن سے اسلام کے دشمنوں کے حوصلے بلند ہو رہے ہیں۔ کیا مذہب اسلام کو ایک کٹھور، بیرحم غیر منطقی اور نامعقول رنگ و روپ میں دنیا والوں کے سامنے پیش کرنا عالمی سامراجیت اور اسلام دشمن صیہونیت کے دیرینہ منصوبے کا جز نہیں ہے؟

کاش یہ جماعت، اسلام کے نام پر یہ شرمناک اور ظالمانہ حرکتیں انجام نہ دیتی، کاش اس گروہ نے محض داڑھی اور خواتین کو گھر کی چہار دیواری میں بند رکھنا ہی اسلام کی بنیاد اور آخری حد قرار نہ دی ہوتی! کاش اس گروہ کے لوگوں کو اس حقیقت کا اندازہ ہوتا کہ اسلام مختلف مفاسد و بدعنوانیوں میں پھنسی ہوئی انسانیت کو نجات دلانے کے لئے اس دنیا میں آیا ہے اس دین نے تو ہر زمانے میں عمدہ اور کارآمد نمونہ عمل پیش

> اتحاد بین المسلمین کے منادی کی حیثیت سے جمہوری اسلامی ایران نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے باہمی اتحاد کی بھرپور حفاظت کرنی چاہئے۔ اس سلسلے میں ایران کی حتی الامکان کوشش یہ رہی ہے کہ مسلمان باہمی اتحاد اور اسلامی اخوت و برادری کی اہمیت و قدر و قیمت سے بخوبی واقف و آگاہ رہیں اور اسلامی معاشرہ میں عملی اتحاد کی تشکیل کے لئے کوشاں رہیں۔

کر کے انسانیت کو راہِ نجات پر گامزن رہنے کی دعوت دی ہے۔

واضح رہے کہ پہلے شہیدنے، جو ایک خاتون تھیں، اپنے خون سے درخت اسلام کی آبیاری کی اور یہ صدر اسلام کی عظیم خواتین ہی تھیں جن کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے مسلمان مرد ہمہ وقت اور ہمہ تن دن دونی رات چوگنی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ تاریخ اسلام میں حضرت خدیجہ (س) نے جو اہم اور عظیم کردار ادا کیا ہے، اسے کوئی فراموش نہیں کر سکتا ہے اور سیدۂ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا (س) نے اسلام کی حفاظت و پاسداری اور تبلیغ و اشاعت کی راہ میں جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور جیسی گرانقدر روزگار قربانیاں پیش کی ہیں یا حسینی انقلاب کی پیغامبر حضرت زینب (س) نے خداوند عالم کے اس پسندیدہ دین اور امت اسلامیہ کی جو خدمت انجام دی ہے وہ یقیناً ناقابل فراموش ہیں۔

جو مسلمان گروہ یا جماعتیں مذہب اسلام میں عورت کے کردار کو فقط بچوں کی تربیت و پرورش اور شوہر کی خوشی و خدمت ہی تک محدود سمجھتے ہیں انہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ وہ خواتین پر نہیں بلکہ اسلام پر ظلم کر رہے ہیں۔ اگر وہ تاریخ صدر اسلام کا مطالعہ کریں اور تاریخ اسلام کی نمایاں خواتین کی شناخت کے ساتھ ہی ساتھ مردوں اور عورتوں کے مقام و مرتبہ کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں تو انہیں اسلام میں عورت کے حقیقی مقام و مرتبہ کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

امید ہے کہ دنیا کے تمام مسلم مرد و عورتیں ایک دوسرے کی تکمیل کے وسیلہ کی حیثیت سے ایک ہم آہنگ کوشش کے ذریعہ جملہ اسلامی تقاضوں اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور اسلامی منصوبوں کو جامۂ عمل پہنانے میں سرگرم عمل رہیں گے اور دنیائے بشریت کے سامنے خداوند عالم کے اس آخری دین اسلام کا حقیقی تعارف پیش کرتے ہوئے دنیا والوں کو یہ باور کرا دیں گے کہ اسلام میں دنیائے بشریت کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ والسلام علی عباد اللہ الصالحین۔

راہ اسلام کے گزشتہ شمارہ میں اس بات کی وضاحت کی جاچکی ہے کہ احد کے میدان میں مسلمانوں کی شرمناک شکست کو ابوسفیان نے مذہب اسلام اور توحیدی آئین کی شکست قرار دینے کی ناکام کوشش کی لیکن وہ اپنے اس شرمناک منصوبے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ پیغمبرؐ قتل کیے جاچکے ہیں اور اب اسے اپنی من مانی کرنے کا موقع مل گیا ہے لیکن پیغمبرؐ نے اس کے مشرکانہ نعروں کے جواب میں توحیدی نعرے لگوائے اور آخرکار وہ مکہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

دوسری طرف پیغمبر اسلامؐ نے شہداء اُحد کی تدفین کا اہتمام کیا اور ابوسفیان کی زوجہ ہند جگر خوارہ کے ذریعہ اپنے چچا حمزہ کی لاش کو مثلہ شدہ دیکھ کر بہت رنجیدہ و غضبناک ہوئے۔ بہرحال تدفین سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے پسماندہ اصحاب وانصار کے ساتھ مدینہ واپس آگئے۔ مدینہ ایک ماتم کدہ میں تبدیل ہوچکا تھا۔ ذیل میں اپنے عزیزوں کے غم میں نوحہ وماتم کرنے والی بعض مثالی اور صاحب حوصلہ خواتین کی داستان ملاحظہ ہو:

ایک مومنہ کی دردانگیز یادیں

درحقیقت تاریخ اسلام میں بعض صاحب ایمان خواتین کی تاریخ نہایت حیرت انگیز رہی ہے کیونکہ عصر حاضر کی خواتین میں اس کی مثال بہت کم دکھائی دیتی ہے۔

جنگ احد کے دوران "بنی دینار" کی ایک خاتون اپنے باپ، بھائی اور شوہر کی شہادت کے بعد کچھ عورتوں کے درمیان بیٹھی ہوئی گریہ وزاری اور نوحہ وماتم میں مشغول تھی اور اس کے اردگرد بیٹھی ہوئی دوسری خواتین بھی گریہ وزاری کررہی تھیں۔ اچانک پیغمبر اکرمؐ ان سوگوار خواتین کے قریب سے گزرے۔ اس غمزدہ خاتون نے قریب میں کھڑے ہوئے لوگوں سے پیغمبر کی خیریت دریافت کی، ان لوگوں نے بتایا کہ خدا کا شکر ہے کہ وہ زندہ وسلامت ہیں۔ اس خاتون نے کہا کہ میں پیغمبر اکرم کو نزدیک سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ اسی وقت پیغمبر اکرمؐ کی زیارت کا موقع فراہم کردیا گیا۔ پیغمبرؐ کے چہرہ مبارک کو دیکھتے ہی یہ خاتون اپنے تمام رنج ومصائب بھول گئی اور نہایت خلوص وعقیدت کے ساتھ یہ عرض کرنے لگی۔ اے رسول خدا! میں آپ کی خاطر ہر طرح کے رنج ومصائب برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ آپ زندہ وسلامت رہیں۔ ہم لوگ آپ کی سلامتی کے لئے بڑے سے بڑے مصائب کا بوجھ اٹھالیں گے۔"

"یہ استقامت وثبات قدم یقیناً لائق

صد آفریں ہے اور اس قوی ایمان کی مثال، سمندری جہاز کے اس بھاری بھر کم لنگر کی طرح ہے جو بنی نوع انسان کے وجود کی کشتی کو عظیم طوفانوں کے مقابلے تزلزل و بے قراری سے محفوظ رکھتا ہے"۔ ۲

فداکار خواتین کا دوسرا نمونہ

گزشتہ صفحات میں "عمرو بن جموح" کا اجمالی تذکرہ پیش کیا جاچکا ہے کہ پیروں سے معذور ہونے کی وجہ سے ان پر جہاد واجب نہ تھا لیکن انہوں نے غیر معمولی اصرار کے ساتھ 'پیغمبرؐ سے جہاد کی اجازت حاصل کرلی اور مجاہدین کی پہلی صف میں شامل رہے۔ ان کے بیٹے "خلاد" اور برادر نسبتی "عبد اللہ بن عمرو" بھی اس مقدس جہاد میں شریک رہے اور یہ تینوں مجاہدین درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

ان کی زوجہ "ہند" جو "عمرو بن حزام" کی بیٹی اور "جابر ابن عبد اللہ انصاری" کی پھوپی تھیں' میدان احد میں تشریف لائیں اور اپنے عزیزوں کی لاش کو مقتل سے اٹھا کر ایک اونٹ کی پشت پر رکھوایا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں تاکہ ان شہیدوں کو مدینہ میں دفن کریں۔

ادھر مدینہ میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی کہ جنگ احد میں پیغمبرؐ شہید کردیئے گئے لہٰذا پیغمبرؐ کی ازواج اس خبر کی تصدیق کے لئے "میدان احد" کی طرف روانہ ہو چکی تھیں چنانچہ راستہ میں ازواج رسولؐ نے ہند کو احد کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا تو ان لوگوں نے اس خاتون سے رسول مقبولؐ کی خیریت دریافت کی۔ اگرچہ یہ عورت احد کے مقتل سے اپنے شوہر' بھائی اور بیٹے کی لاشیں اپنے ساتھ لئے ہوئے تھی' پھر بھی اس نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ان لوگوں سے یوں خطاب فرمایا: "میں آپ لوگوں کے لئے خوشخبری لائی ہوں۔ پیغمبرؐ زندہ و سلامت ہیں اور اس عظیم نعمت کے مقابلے میں بڑے سے بڑے رنج و مصائب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

دوسری اچھی خبر یہ ہے کہ "خداوند عالم نے غیظ و غضب میں ڈوبے ہوئے لشکر کفار کو مکہ کی جانب لوٹا دیا۔" ۳ اس کے بعد ازواج پیغمبرؐ نے اس خاتون سے دریافت کیا کہ "یہ جنازے کس کے ہیں؟" اس خاتون نے جواب دیا کہ یہ میرے وارثوں کے جنازے ہیں۔ ان میں سے ایک میرا شوہر' دوسرا میرا بھائی اور تیسرا میرا بیٹا ہے۔ میں انہیں دفن کرنے کے لئے مدینہ لے جا رہی ہوں۔

تاریخ اسلام کے اس حصہ میں ایک بار پھر ایمان کی اس عظیم طاقت کی جھلک محسوس کی جاسکتی ہے جس کی وجہ سے مقدس مقصد کی راہ میں آنے والے عظیم مصائب و آلام کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی اور مرد مومن ان کٹھن مراحل کو بڑی آسانی سے پار کر جاتا ہے۔

درحقیقت مادی مکاتب فکر میں ایسے افراد کی تربیت و پرورش کی صلاحیت کبھی نہیں رہی ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مومن مقصد کی حفاظت کے لئے جنگ کرتا ہے مادی زندگی' عہدہ و مرتبہ اور مال و دولت کے لئے جنگ نہیں کرتا ہے۔

اس کے بعد رونما ہونے والا واقعہ اور زیادہ حیرت انگیز ہے جس کو مادیت کی کسوٹی پر ہرگز نہیں پرکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان اصولوں کے ذریعہ اس کی پرکھ ممکن ہے جو تاریخی مسائل کے تجزیہ کے لئے مادیت پرستوں کے ذریعہ وضع کئے گئے ہیں بلکہ اس کا تجزیہ فقط وہ مردان الٰہی ہی کرسکتے ہیں جن کا الٰہی طاقت پر ٹھوس عقیدہ و ایمان ہے اور جو ایمانی طاقت کے ذریعے معجزہ و کرامت جیسے معاملات و مسائل کا تجزیہ کرتے رہتے ہیں۔ بہر حال اس واقعہ کے بعد رونما ہونے والی داستان یہ ہے:

"اونٹ کی مہار اس خاتون کے ہاتھوں میں تھی اور وہ مدینہ کی طرف گامزن تھی لیکن اونٹ بڑی مشکل سے آگے بڑھ رہا تھا۔ ازواج پیغمبرؐ میں سے ایک نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ بھاری بوجھ کی وجہ سے اونٹ کو آگے بڑھنے میں دشواری ہو رہی ہو۔ ہند نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ نہیں' یہ اونٹ بہت طاقتور ہے اور دو اونٹوں کا بوجھ آسانی سے اکیلے اٹھالیتا ہے لیکن سر دست اس کی سست رفتاری کی وجہ کچھ اور ہے۔ درحقیقت جب میں اس اونٹ کو احد کی طرف لے جانا چاہتی ہوں تو یہ بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگتا ہے لیکن جیسے ہی میں اسے مدینہ کی طرف موڑتی ہوں تو اس کی رفتار خود بخود کم

ہو جاتی ہے اور چند قدم آگے بڑھنے کے بعد یہ زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔

آخر کار ہند یہ فیصلہ کرتی ہے کہ وہ احد واپس چلی جائے اور اس واقعہ کو پیغمبرؐ سے بیان کرے۔ پس وہ اس اونٹ کے ساتھ احد واپس آگئی اور سارا واقعہ پیغمبرؐ کے سامنے بیان کر دیا۔ پیغمبرؐ نے ہند سے بتایا کہ میدان جہاد کی طرف جاتے ہوئے تمہارے شوہر نے خداوند عالم کی بارگاہ میں یہ دعا کی تھی کہ "اب مجھے میرے گھر کی طرف نہ پلٹانا۔"

اس کے بعد پیغمبرؐ نے اس خاتون سے کہا کہ "تمہارے شوہر کی دعا خداوند عالم کی بارگاہ میں مستجاب ہو چکی ہے اور اب خداوند عالم یہ نہیں چاہتا ہے کہ یہ جنازہ "عمرو" کے گھر کی طرف چلے۔ لہٰذا اب تم ان تینوں جنازوں کو اسی سرزمین احد میں دفن کر دو اور یہ جان لو کہ آخرت میں بھی یہ تینوں ساتھ رہیں گے۔"

ہند کی آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ انہوں نے روتے ہوئے، پیغمبرؐ سے التجا کی کہ آپ بارگاہ خداوندی میں میرے لئے یہ دعا کریں کہ آخرت میں بھی میں انہیں لوگوں کے ساتھ رہوں۔ [۴]

پیغمبرؐ اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ ان کی دختر عزیز "فاطمہؑ" نے جیسے ہی اپنے باپ کے زخمی چہرے کو دیکھا ان کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ پیغمبرؐ نے اپنی تلوار فاطمہؑ کے حوالے کر دی تاکہ وہ اُسے صاف کر دیں۔

ساتویں صدی کا شیعہ مورخ "اربلی" لکھتا ہے کہ "پیغمبرؐ کی بیٹی پانی لے آئیں تاکہ باپ کے زخمی چہرے سے خون صاف کر دیں۔ امیر المومنین حضرت علیؑ نے پانی ڈالنا شروع کیا اور فاطمہؑ زخم کے ارد گرد جمع خون صاف کرتی رہیں لیکن چہرے کا گھاؤ اتنا گہرا تھا کہ خون بند ہی نہیں ہو رہا تھا۔ آخر کار ان لوگوں نے حصیر کے ایک ٹکڑے کو جلا کر اس کی راکھ زخم کے اندر بھر دی اور اس طرح گھاؤ سے بہنے والا خون تھم گیا۔ [۵]

> تاریخ اسلام کے اس حصہ میں ایک بار پھر ایمان کی اس عظیم طاقت کی جھلک محسوس کی جا سکتی ہے جس کی وجہ سے مقدس مقصد کی راہ میں آنے والے عظیم مصائب و آلام کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی اور مرد مومن ان کٹھن مراحل کو بڑی آسانی سے پار کر جاتا ہے۔

دشمن کا تعاقب کرنا چاہئے

واقعہ اُحد کے بعد آنے والی رات مسلمانوں کے لئے نہایت حساس رات تھی۔ ان میں سے اکثر غیر معمولی تھکاوٹ کی وجہ سے سو گئے۔ ادھر منافقوں، یہودیوں اور عبداللہ ابی کے طرفداروں نے اس جنگ میں مسلمانوں کی شکست پر خوشیاں منانا شروع کر دی تھیں اور دوسری طرف اکثر گھروں سے شہیدوں کے پسماندگان کے رونے کی آواز فضا میں گونج رہی تھی اور یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں یہ یہودی اور منافقین مسلمانوں کے گھروں پر حملہ نہ کر دیں یا موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کر کے مرکز اسلام کے پر سکون ماحول کو خراب نہ کر دیں۔

مقامی اختلافات کا نقصان بیرونی دشمن کے حملے سے کہیں زیادہ ہوتا ہے لہٰذا ان تمام حالات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے، پیغمبرؐ کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ داخلی دشمنوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھائیں تاکہ ان لوگوں کو یہ اندازہ ہو جائے کہ توحیدی لشکر میں کسی قسم کا خوف و تزلزل نہیں ہے اور اسلام کی بنیاد کے لئے خطرہ ثابت ہونے والی ہر خفیہ یا اعلانیہ سرگرمی کو ابتدائی مرحلہ میں ہی کچل دیا جائے گا۔

خداوند عالم کی جانب سے پیغمبر اسلامؐ کو یہ ہدایت حاصل ہوئی کہ وہ دوسرے دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک شخص کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ پورے شہر میں یہ اعلان کر دے کہ جو لوگ کل جنگ احد میں شریک تھے وہ دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے فوری طور پر آمادہ ہو جائیں اور جو لوگ کل احد میں شریک نہیں تھے انہیں یہ حق حاصل

نہ ہوگا کہ وہ اس تعاقبی سرگرمی میں شریک ہوسکیں۔۶

واضح رہے کہ جنگ احد میں شریک نہ ہونے والے لوگوں کو اس تعاقبی دستہ میں شریک نہ کرنے میں ایک مصلحت تھی جو سیاسی معاملات کے ماہرین کی نظروں سے ہرگز پوشیدہ نہیں ہے۔

اس پابندی میں پہلی اور بنیادی مصلحت یہ تھی کہ جن لوگوں نے جنگ احد میں شرکت

پیغمبرؐ کے منادی کی یہ آواز قبیلہ ''بنی عبدالاشہل'' کے ایک نوجوان نے بھی سنی جو اپنے بھائی کے بستر کے قریب زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اس آواز کو سنتے ہی ان دونوں بھائیوں میں ایسا جوش پیدا ہوا کہ وہ لوگ فوری طور پر پیش قدمی کے لئے آمادہ ہوگئے اگرچہ ان لوگوں کے پاس محض ایک گھوڑا تھا اور زخمی حالت میں چلنا پھرنا بہت مشکل تھا' پھر بھی ایک بھائی نے دوسرے بھائی سے کہا کہ یہ بات ہرگز مناسب

سردار ''معبد خزاعی'' نے مشرک ہوتے ہوئے بھی، پیغمبرؐ کی خدمت میں تعزیت پیش کی۔ واضح رہے کہ قبیلۂ خزاعہ کے تمام افراد ہمیشہ اسلام کی حمایت کیا کرتے تھے۔ معبد' پیغمبر اکرمؐ کی خاطر خزاعہ سے ''روحاء'' کی طرف روانہ ہوگیا جہاں لشکر قریش نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ معبد نے ابوسفیان سے ملاقات کی تو اُسے پتہ چلا کہ ابوسفیان نے مدینہ پر دوبارہ دھاوا بولنے کا فیصلہ کرلیا ہے تاکہ وہ مسلمانوں کی پسماندہ طاقت کو پوری طرح نیست ونابود کردے۔ معبد نے ابوسفیان کو مدینہ کی طرف جانے سے روکتے ہوئے کہا: ''ابوسفیان! ہوش میں آ۔ پیغمبر اسلامؐ سپاہ کے ساتھ ''حمراء الاسد'' تک پہونچ چکے ہیں۔ ان کا لشکر پہلے سے زیادہ طاقتور ہے کیونکہ جو لوگ کل جنگ میں شریک نہیں تھے' اس وقت وہ لوگ بھی ان کے ساتھ ہیں۔

> **پیغمبرؐ اپنے ساتھیوں اور سپاہیوں کے ہمراہ شب میں ''حمراء الاسد'' میں مقیم رہے، رات کی تاریکی میں انہوں نے سپاہیان اسلام کو حکم دیا کہ اس علاقے کے ارد گرد موجود جھاڑیوں میں آگ لگادیں تاکہ دشمن یہ باور کرلے کہ آج لشکر اسلام کل سے زیادہ طاقتور ہے۔**

سے روگردانی اختیار کی تھی انہیں اس دفاعی سرگرمی میں شامل نہیں ہونے دینا تھا۔

دوسری مصلحت ان افراد کی تنبیہ وگوشمالی تھی جو جنگ میں شریک تو ہوئے تھے لیکن اپنی کوتاہی و لاپرواہی کی وجہ سے اسلام کو ان شرمناک حالات سے دوچار کردیا تھا۔ لہٰذا پیغمبر اسلامؐ اس پابندی کے ذریعہ ان لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ اس نقصان کی تلافی بھی انہیں لوگوں کو کرنی ہے تاکہ آئندہ ان لوگوں سے ایسی کوتاہی ولاپرواہی سرزد نہ ہونے پائے۔''

نہیں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ آمادۂ جہاد ہوں اور ہم لوگ ان سے پیچھے رہ جائیں۔ لہٰذا دونوں بھائی میدان جہاد کی طرف چل پڑے اور تھوڑی دیر میں لشکر اسلام میں شامل ہوگئے۔ ۷

حمراء الاسد

پیغمبر اکرمؐ نے ''ابن ام مکتوم'' کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا اور شہر مدینہ سے آٹھویں میل کے فاصلے پر واقع حمراء الاسد ۸ نامی مقام پر اپنا دفاعی محاذ آراستہ کردیا۔ قبیلہ خزاعہ کے

ابوسفیان! لشکر اسلام میں مجھے ایسے چہرے بھی دکھائی پڑے ہیں جن کی آنکھیں غیظ وغضب کی شدت کی وجہ سے خون آلود تھیں۔ درحقیقت میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسے غضبناک چہرے نہیں دیکھے۔ مسلمان اپنی کوتاہی ولاپرواہی سے بہت شرمندہ ہیں۔ لہٰذا ایسے حالات میں تمہارا مدینہ کی طرف جانا ہرگز مناسب نہیں ہے۔

معبد خزاعی نے ابوسفیان کے سامنے اسلامی سپاہ کا ایسا منظر پیش کیا کہ ابوسفیان نے مدینہ کی طرف واپسی کا ارادہ ترک کردیا۔

پیغمبرؐ اپنے ساتھیوں اور سپاہیوں کے

ہمراہ شب میں ''حمراء الاسد'' میں مقیم رہے، رات کی تاریکی میں انہوں نے سپاہیان اسلام کو حکم دیا کہ اس علاقے کے اردگرد موجود جھاڑیوں میں آگ لگادیں تاکہ دشمن یہ باور کرلے کہ آج لشکر اسلام کل سے زیادہ طاقتور ہے۔

صفوان امیہ نے ابوسفیان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان انتہائی غضبناک اور زخم خوردہ ہیں لہذا میری نظر میں یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بس اسی پر اکتفا کی جائے اور ہم لوگ مکہ کی طرف روانہ ہوجائیں۔''۹

مومن دوسری بار دھوکا نہیں کھاتا ہے۔

یہ پیغمبر اسلامؐ کے اس ارشاد کا خلاصہ ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے ''لایلدغ المومن من حجر مرتین۔'' پیغمبرؐ نے یہ جملہ اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب ''ابو عزہ جمحی'' نے ان سے دوبارہ آزادی کی درخواست کی تھی۔ وہ اس سے پہلے جنگ بدر میں اسیر کیا گیا تھا۔ اور پیغمبرؐ نے اُسے اس شرط پر آزاد کردیا تھا کہ وہ اسلام کے خلاف مشرکین کے ساتھ تعاون نہ کرے گا، اس نے پیغمبرؐ کی یہ شرط تسلیم کرلی تھی لیکن جنگ احد میں دوبارہ شریک ہوکر اس نے پیغمبرؐ سے کئے گئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ اتفاق کی بات تھی کہ ''حمراء الاسد'' سے واپسی کے وقت سپاہیان اسلام نے اسے دوبارہ اسیر کرلیا۔

اس مرتبہ اس نے پھر پیغمبرؐ سے معافی و آزادی کا مطالبہ کیا تو پیغمبرؐ نے اس کی درخواست کو نامنظور کرتے ہوئے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ ''مومن ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا ہے۔'' اور اس کے بعد اس کے قتل کا حکم صادر کردیا اور اس طرح احد کا یہ سبق آموز حادثہ تمام ہوگیا۔۱۰

بہرحال جنگ احد ستر' چھتر یا بروایت دیگر اکیاسی شہیدوں کی قربانی کے ساتھ ختم ہوگئی جبکہ اس جنگ میں لشکر قریش کے صرف ۲۲ افراد مارے گئے۔ یہ ناگوار واقعہ محض معدودے چند محافظین کی لاپرواہی کی وجہ سے رونما ہوا تھا جس کی تفصیل اس سے قبل کے شماروں میں پیش کی جاچکی ہے۔ مختصراً یہ عرض کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جنگ احد ہجرت کے تیسرے سال بتاریخ ۷ رشوال بروز شنبہ ہوئی اور اس کے فوراً بعد ''حمراء الاسد'' کا واقعہ رونما ہوا جو اگلے ہفتہ جمعہ کے دن تک جاری رہا اور ۱۴ رشوال کو واقعہ احد کا خاتمہ ہوگیا۔ ہجرت کے تیسرے سال کے اہم حوادث میں امام حسن علیہ السلام کی ولادت باسعادت بھی شامل ہے کیونکہ وہ اسی سال ۱۵ رمضان المبارک کو پیدا ہوئے۔

حوالے:

۱۔ اسلامی جمہوریہ ایران پر مسلط شدہ عراقی جنگ کے دوران ایرانی خواتین نے ایثار و قربانی کی جو مثالیں پیش کی ہیں 'وہ فقط دور رسالت ہی میں نظر آتی ہیں۔ عصر حاضر میں ان خواتین کی قربانیوں نے پوری دنیا کو انگشت بدنداں کردیا۔

۲۔ سیرۂ ابن ہشام جلد ۲ ص۔ ۹۹

۳۔ شرح نہج البلاغہ جلد ۱۴ ص ۲۶۳ پر ابن ابی الحدید سے منقول ہے کہ اس خاتون نے قرآن مجید کی اس آیۂ کریمہ کی تلاوت فرمائی۔ ''وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ، وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيزًا۔'' اس کے بعد ابن ابی الحدید فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اس خاتون نے اس آیت کے پہلے حصے کو پڑھا ہو اور پوری آیت نہ پڑھی ہو کیونکہ یہ آیت جنگ خندق کے دوران نازل ہوئی اور جنگ خندق کا زمانہ جنگ احد کے بعد کا زمانہ ہے۔

۴۔ مغازی واقدی جلد ۱ ص۔ ۲۶۵

۵۔ کشف الغمہ ص۔ ۵۴

۶۔ سیرۂ ابن ہشام جلد ۲ ص۔ ۱۰۱

۷۔ سیرۂ ابن ہشام جلد ۲ ص۔ ۱۰۱

۸۔ بعض لوگوں نے ''حمراء الاسد'' تک کی روانگی کو ایک الگ جنگ کے نام سے یاد کیا ہے اور بعض دیگر مورخین نے اس دفاعی کارروائی کو جنگ احد کا حصہ قرار دیا ہے۔

۹۔ طبقات کبریٰ۔ ج ۲۔ ص۔ ۴۹

۱۰۔ سیرۂ ابن ہشام جلد دوم ص۔ ۱۰۴

☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت علیؑ کی حکومت اور اس کا نظام کار

محمد باقر انصاری

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ صدر اسلام نہایت حساس حالات و حادثات سے معمور رہی ہے اور رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد اُن حالات کی حساسیت میں قدرے اضافہ ہی دکھائی دیتا ہے اور امت مسلمہ غیر معمولی و کربناک سیاسی حالات میں گھری ہوئی نظر آتی ہے یہاں تک کہ ایک مختصر مدت کے بعد، امت مسلمہ حضرت علیؑ کے دروازہ پر کھڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور حضرت علیؑ بھی اسلام کے شیرازہ کو انتشار اور دربدری سے بچانے کے لئے حکومت کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اسلامی حکومت کے خدوخال کا تعین فرماتے ہیں۔ ذیل میں نہج البلاغہ کے چند اقتباسات کی روشنی میں اس خدوخال کی ایک جھلک حاضر خدمت ہے۔

قرآن اور احادیث پر مبنی حکومت

حضرت علیؑ نے مادی دنیا اور اس کی رونقوں کی طرف ذرا سا بھی دھیان نہیں دیا، انہوں نے ماسوا خدا کے اور کسی بھی چیز کے بارے میں ذرا سا بھی نہیں سوچا اور وہ اسلام کے الہامی احکام کی پابندی کرتے رہے، اس بارے میں وہ کہتے ہیں۔

"میری نظر میں تمہاری دنیا کی رونق بکری کی ایک چھینک سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔"

(نہج البلاغہ خطبہ ۷)

اس ضمن میں اگر ہم نہج البلاغہ کے خطبات کا مطالعہ کریں تو ہم کو پتہ چلے گا کہ حضرت علیؑ نے قرآن کے احکام اور احادیث نبوی یا دونوں کی مجموعی بنیاد پر مبنی حکومت چلانے کے طریقے کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔

انہوں نے مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ وہ ان دونوں سیدھے اور سچے راستوں سے ذرا بھی تجاوز نہ کریں، ذیل میں نہج البلاغہ کے چند حوالے بطور مثال پیش کئے جا رہے ہیں:

۱۔ یاد رکھو اللہ نے تمہیں کتاب دی ہے تمہاری رہنمائی کے لئے، اس کتاب میں صاف صاف وضاحت و صراحت کر دی گئی ہے حق و باطل کی، نیکی اور بدی کی، سچ اور جھوٹ کی، تمہیں سچائی اور حق کا راستہ اختیار کرنا چاہئے تاکہ تم صراط مستقیم پر قائم رہو، تمہیں بدی اور شر کے راستے سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہئے تاکہ تم نجات اور بخشش حاصل کر سکو۔ (نہج البلاغہ ۱۷۲)

یہ سطور نہج البلاغہ کے خطبہ ۱۷۲ کے ابتدائی حصہ سے ماخوذ ہیں جو حضرت علیؑ نے اپنی خلافت شروع کرتے ہوئے عوام کے ایک مجمع میں دیا تھا۔

۲۔ خدا کی قسم مجھے حکمرانی یا خلافت کی کوئی خواہش یا آرزو نہیں تھی۔ تم سب نے مجھے اس منصب کو قبول کرنے کی دعوت دی تو میں نے اس کو قبول کر لیا اور جب میں نے یہ منصب قبول کر لیا اور تمہارا خلیفہ بن گیا تو پھر میں نے قرآن مجید اور احادیث نبوی کے مطابق اس منصب کے فرائض اور ذمہ داریوں کو انجام دینا شروع کیا۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۲۱۰)

۳۔ جب لوگوں نے (معاویہ اور ساتھیوں نے) مجھے فیصلۂ قرآن کی طرف بلایا تو میں اللہ کی اس کتاب کی طرف سے روگردانی نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تمہارے درمیان کوئی اختلاف ہو تو پھر اللہ اور اس کے پیغمبرؐ کی طرف رجوع کرو۔ (۵۹:۴) اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں قرآن مجید کو دیکھنا اور پڑھنا چاہئے اور اس میں دیئے گئے احکام و ہدایات کے مطابق عمل کرنا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پیغمبرؐ کی پیروی کریں اور ان کی سنت کے مطابق عمل کریں۔

اگر ہم قرآن مجید کے احکام کی سچائی اور اخلاص کے ساتھ پیروی کرتے ہیں اور اپنے دل و دماغ میں کوئی وسوسہ یا شک نہیں رکھتے تو ہر شخص دیکھے گا کہ ہمیں اس عمل سے کتنا فائدہ ہوتا

ہے اسی طرح اگر ہم سنت رسولؐ پر عمل کرتے ہیں تو ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمیں اپنے اس عمل کا کتنا فائدہ پہنچتا ہے۔ (نہج البلاغہ ۱۲۸)

۴۔ خدا کی قسم میں جو کہتا ہوں وہ قرآن مجید اور اللہ کے وعدوں کے عین مطابق ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے کہ جو لوگ اللہ کو اپنا مالک و مختار مانتے ہیں اور پختہ یقین و ایمان رکھتے ہیں انہیں فرشتے یہ نوید دیں گے کہ تم نہ خوفزدہ ہو نہ غمگین ہو، بہشت بریں کے اس فرحت آفریں مقام پر آؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ (۴۱:۳۰ مفہوم) اگر تم اللہ کو اپنا حاکم مانتے ہو تو پھر تمہارا یہ فرض ہے کہ اس نے اپنی کتاب قرآن مجید میں جو احکام دئے ہیں ان کی تعمیل کی جائے، دین کی تعلیمات کی پیروی کی جائے اور اسلام نے عبادت کے جو طریقے بتائے ہیں، اُن طریقوں سے اللہ کی عبادت و بندگی کی جائے تم اللہ کے حلقے سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ قیامت کے دن اللہ سے روگردانی کرنے والوں کو اللہ کی رحمت اور اس کے کرم میں سے کوئی حصہ میسر نہیں آئے گا۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۱)

نہج البلاغہ کے خوبصورت اقتباسات میں سے یہ چند فقرے محض مثال کے طور پر لئے گئے ہیں جو اسلامی حکومت کے خدوخال حضرت علیؑ کے خیالات اور اندازِ فکر کو واضح طور پر ظاہر کرتے ہیں۔

ان نظریوں پر مبنی اسلامی حکومت کے جو خدوخال حضرت علیؑ نے وضع کیے ہیں، ان کی نمایاں مثال ہیں مالک اشتر اور عثمان بن حنیف کے نام لکھے جانے والے مکتوبات، اسلامی حکومت کے بارے میں حضرت علیؑ کا جو نقشہ یا منصوبہ تھا وہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

اسلامی حکومت کا منصوبہ

اسلامی حکومت کا منصوبہ چار بنیادی مقاصد پر مبنی ہے۔

☆ ۱۔ محاصل کی وصولیابی، جو کہ اسلامی حکومت کے بجٹ کا خصوصی مالی وسیلہ ہے۔

☆ ۲۔ اسلامی حکومت کے دشمنوں سے اور مخالفت کرنے والے عناصر سے جنگ۔

☆ ۳۔ اصلاح قوم اور کار بہبود۔

☆ ۴۔ شہر و دیہات کی ترقی اور آباد کاری۔

حضرت علیؑ کی اسلامی حکومت کے یہ عمومی اور بنیادی اصول ہیں۔ مالک اشتر کے نام لکھے جانے والے مکتوب کے حوالوں سے ہم ذیل میں ان عمومی و بنیادی اصولوں کی تفصیلات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ نہج البلاغہ میں اگرچہ اس ضمن کے دوسرے مکتوبات و خطبات بھی موجود ہیں لیکن ہم نے اسی ایک جامع مکتوب کو اپنی گفتگو کے لئے منتخب کرلیا ہے۔

محاصل اور شہر و دیہات کی ترقیات کے لئے حضرت علیؑ کے رہبرانہ قواعد واصول کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ محاصل ہی حکومت کی آمدنی کا خاص وسیلہ ہوتے ہیں جن کے بغیر کوئی بھی حکومت اپنا کاروبار نہیں چلاسکتی۔ اس لئے محاصل کی وصولیابی کے طریقۂ کار کی پوری پوری نگرانی کی جانی چاہئے۔

۲۔ محاصل کی وصولیابی، حساب کتاب، سرمایہ کی تحویل و تفویض کے مختلف مرحلوں اور مختلف شعبوں میں صرف ان ہی لوگوں کو معمور کیا جانا چاہئے جو ایماندار ہوں اور جن پر بھروسہ کیا جاسکے۔

۳۔ محاصل لگانے کے ساتھ ہی ساتھ حکومت کی یہ کوشش بھی ہونی چاہئے کہ عوام کے لئے کام اور روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں، زراعت، صنعت اور مویشیوں کی افزائش نسل، ایسے شعبے ہیں جن کو مزید ترقی دینی چاہئے تاکہ عوام کی آمدنی میں اضافہ ہوتا رہے، عوام کی آمدنی بڑھے گی تو محاصل سے ہونے والی آمدنی میں بھی قدرتی طور پر اضافہ ہوگا۔

محاصل کی آمدنی میں اضافہ ہونے پر حکومت شہری و دیہی علاقوں کو مزید ترقی دینے کا کام کرسکے گی اور عوام الناس کو مزید شہری سہولتیں مہیا کی جاسکیں گی۔

حضرت علیؑ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ اسلامی حکومت کے افسروں اور حاکموں کو چاہئے کہ وہ اس بارے میں عوام کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں کہ وہ اپنے ملک کے قدرتی وسائل کو ترقی دیں مثلاً پانی کے تالاب، جنگلات معدنیات اور قابل کاشت اراضیات وغیرہ کو، تاکہ پیداوار اضافہ ہو اور اس اضافے کے نتیجے میں عوام کی آمدنی بھی بڑھتی رہے۔ انہوں نے اپنی حکومت کے افسروں اور حاکموں کو سخت الفاظ میں متنبہ کیا تھا کہ وہ عوام کی آمدنی کے وسائل کو اپنی جاگیر یا ملکیت نہ سمجھ بیٹھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

یا علیؑ

دیوان احمد علیؔ راج
(بوہروواڑی۔ ادے پور)۔ راجستھان

خورشید تیرے نور کا ذرہ ہے یا علیؑ
ہر جان تیرے لطف سے زندہ ہے یا علیؑ
مشکل میں تو ہر اک کا سہارا ہے یا علیؑ

تو شہسوار منبر میداں ہے یا علیؑ
ایمان تیرا تابع فرماں ہے یا علیؑ
مشکل میں تو ہر اک کا سہارا ہے یا علیؑ

غم نے ہر ایک سمت سے گھیرا ہے یا علیؑ
منجدھار میں غریب کا بیڑا ہے یا علیؑ
مشکل میں تو ہر ایک کا سہارا ہے یا علیؑ

بندہ گنہ گار ہے تقصیر وار ہے
رستہ کٹھن، غریب ترا پاؤگار ہے
مشکل میں تو ہر اک کا سہارا ہے یا علیؑ

کب تک نشانِ تیر مصائب بھلا رہوں؟
چنگل میں آفتوں کے کہاں تک پھنسا رہوں؟
مشکل میں تو ہر اک کا سہارا ہے یا علیؑ

للہ رحم کیجئے امیدوار ہوں
کیجئے مدد کہ بحرِ مصائب سے پار ہوں
مشکل میں تو ہر ایک کا سہارا ہے یا علیؑ

تیرے سبب خلیل بھی نیراں سے بچ گئے
مشکل میں تو ہر اک کا سہارا ہے یا علیؑ

یوسفؑ کی آپ نے چہِ کنعاں میں کی مدد
احمدؐ کی بھی رسالت یزداں میں کی مدد
مشکل میں تو ہر اک کا سہارا ہے یا علیؑ

تیرے سبب دکھائے ہیں عیسیٰؑ نے معجزات
یونسؑ کو بھی ترے ہی سبب سے ملی نجات
مشکل میں تو ہر اک کا سہارا ہے یا علیؑ

بہر جناب احمدؐ و زہراؑ مدد کرو
ربِ زماں کا واسطہ آقا مدد کرو
مشکل میں تو ہر اک کا سہارا ہے یا علیؑ

دریا ترے فیوض کا قطرہ ہے یا علیؑ
ہر شئے میں تیرے نور کا جلوہ ہے یا علیؑ
دونوں جہاں میں تیرا بھروسہ ہے یا علیؑ

توحید تیرے علم کے قرباں ہے یا علیؑ
اسلام تیرا بندۂ احساں ہے یا علیؑ
دونوں جہاں میں تیرا بھروسہ ہے یا علیؑ

سر پہ پہاڑ رنج کا ٹوٹا ہے یا علیؑ
ملجا ترے سوا ہے نہ ماویٰ ہے یا علیؑ
دونوں جہاں میں تیرا بھروسہ ہے یا علیؑ

توشہ عمل کا ساتھ نہیں شرمسار ہے
منزل کڑی ہے سر پہ گناہوں کا بار ہے
دونوں جہاں میں تیرا بھروسہ ہے یا علیؑ

مشکل کشائے خلق' میں یوں مبتلا رہوں؟
مر کے ملے تو منزل مقصد پہ جا رہوں
دونوں جہاں میں تیرا بھروسہ ہے یا علیؑ

مدت ہوئی کہ پنجۂ غم میں شکار ہوں
مولیٰ! گنہگار ہوں، تقصیر وار ہوں
دونوں جہاں میں تیرا بھروسہ ہے یا علیؑ

آدمؑ شکار پنجۂ شیطاں سے بچ گئے
دونوں جہاں میں تیرا بھروسہ ہے یا علیؑ

سلماںؑ کی جنگ شیر نیستاں میں کی مدد
تیغ زباں سے منبر و میداں میں کی مدد
دونوں جہاں میں تیرا بھروسہ ہے یا علیؑ

مُردوں کو تو نے بخش دی مولیٰ مرے حیات
میری ندا بھی سن لے شہنشاہ کائنات
دونوں جہاں میں تیرا بھروسہ ہے یا علیؑ

مولیٰ! حسنؑ، حسینؑ کا صدقہ مدد کرو
آقا مدد کرو، مرے مولیٰ مدد کرو
دونوں جہاں میں تیرا بھروسہ ہے یا علیؑ

اردو شاعری میں تذکرہ

فاطمہ زہرا

(علیہا السلام)

ڈاکٹر رفیعہ شبنم عابدی
صدر شعبہ اردو
مہاراشٹر کالج، ممبئی

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز
نور چشم رحمت للعالمینؐ
آن امام اولین و آخرین
بانوی آن تاج دار ھل اتیٰ
مرتضیٰ، مشکل کشا، شیر خدا
مادر آن مرکز پرکار عشق
مادر آن کاروان سالار عشق

ہر علم اپنے اندر دو پہلو رکھتا ہے۔ ایک THEORY یعنی اصول و مبادیات، دوسرے PRACTICE یعنی عمل جس کے ذریعے ان مبادیات کے اطلاق پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ علم دین کے اصول و مبادیات کو شرع یا شریعت کہا جاتا ہے۔ دنیا میں جتنے مذاہب آئے، ان کے بانیوں نے اس مذہب کی THEORY یا اصول و مبادیات پیش کئے لیکن عام طور پر کوئی ایسا کردار یا OBJECT پیش نہیں کیا۔ جو ان مبادیات کو عمل میں لا کے یا (DEMONSTRATE) کر کے دکھاتا۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے قرآن کریم کی صورت میں یا شرع محمدیؐ کی شکل میں دنیا کے سامنے زندگی گزارنے کا ایک لائحہ عمل بھی پیش کیا اور ساتھ ہی حضور اکرمؐ کی ذات اقدس کی صورت میں ایک نمونۂ عمل بھی۔ یعنی قرآن نے جن جن احکامات کا ذکر کیا، حضورؐ نے ان پر عمل کر کے دکھایا۔ مثلاً بیواؤں کی شادی، غلاموں کے ساتھ بہتر سلوک، عورتوں کی عزت، یتیموں کی سربراہی، غریبوں سے ہمدردی، حق گوئی، ایفائے عہد، امانت داری، صداقت، اخلاقی بلندی وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ صدر اوّل اور عہد رسالت کے مسلمانوں نے حضورؐ سے بذات خود بہت کچھ سیکھا، سمجھا اور اسے زندگی کا نصب العین بنایا۔ لیکن اس کا بیش تر فائدہ مردوں کو ہوا جو حضورؐ کی صحبت میں رہے اور ان کے مختلف اعمال و افعال کا مشاہدہ اور پیروی کرتے رہے۔ لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ جو تمام دنیا کے انسانوں کی ہدایت کے لئے آیا ہو، اس کی تعلیمات سے طبقہ اناث یا عورتیں محروم رہ جاتیں؟ اور مکمل طور پر تاسی رسولؐ نہ کر پاتیں؟ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے عورتوں کی رہنمائی کے لئے جناب فاطمہ زہراؑ کو نمونۂ عمل بنا کر پیدا کیا جن کی تخلیق رسول خداؐ کے صلب سے ہوئی۔

پس فاطمہؑ اس خاتونِ محترم کا اسم گرامی ہے کہ جو دنیا کی بہترین عورت قرار پائیں۔ فاطمہؑ اس عظیم باپ کی بیٹی ہیں کہ جو دنیا میں رحمت للعالمینؐ بن کر آیا، خیر الانامؐ بن کر آیا، سراپا نورؐ بن کر آیا۔ فاطمہؑ اس ماں کی آغوش کی پروردہ ہیں کہ جو سب سے پہلے رسولؐ پر ایمان لائیں اور جس نے اپنی ساری دولت اسلام کی بنیاد واستحکام میں صرف کر دی۔ فاطمہؑ اس شوہر کی بیوی ہیں جو وصیؑ رسولؐ اور شیر خدا کہلایا، جس کی شمشیر کی ضرب، دشمنان اسلام کے تمام منصوبوں کو قطع کر گئی۔ فاطمہؑ ان بیٹوں کی ماں ہیں کہ جنہوں نے اسلام کے لئے گھر بار لٹایا، زہر پیا، زیر خنجر گلا رکھ دیا۔ فاطمہؑ ان بیٹیوں کی مادر گرامی ہیں کہ جنہوں نے شام کے بازاروں میں باطل کا پردہ فاش کیا اور حق کا پیغام سنایا۔ فاطمہؑ کی ذات ایک مرکز ہے۔ علامہ اقبالؒ اپنی فارسی مثنوی "رموز بے خودی"، میں جناب فاطمہؑ کا تعارف یوں کرواتے ہیں:

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز
نور چشم رحمت للعالمینؐ

آن امام اولین و آخرین
بانوی آن تاج دار ھل اتی
مرتضیٰ ، مشکل کشا، شیر خدا
مادر آن مرکز پرکار عشق
مادر آن کارواں سالار عشق
مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؑ
مادران را اسوۂ کامل بتولؑ

غرضیکہ فاطمہؑ کی عظمتوں کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ فاطمہؑ ہیں، کیوں کہ دنیا میں شر کے جتنے اقسام ہیں اور جن جن چیزوں پر شر کا اطلاق ہو سکتا ہے، وہ ان سب سے محفوظ رکھی گئی ہیں۔ وہ زہراؑ ہیں، کیوں کہ جب آپ محراب عبادت میں کھڑی ہوتی تھیں تو آپ کا نور اہل آسمان کو ایسے روشنی بخشتا تھا جیسے ستارے اہل زمین کو روشنی بخشتے ہیں۔ ام الحسنؑ، ام الحسینؑ، ام السبطینؑ اور ام الائمہؑ ہیں یعنی حسنینؑ یا سبطینؑ کی ماں اور ان سے پیدا ہونے والے تمام آئمہؑ کی ماں۔ وہ ام ابیہا ہیں یعنی وہ اپنے باپ کی ام بمعنی امید، مقصد اور مطلوب ہیں۔ آپ طاہرہ و بتول یعنی مستورات کے ان تمام عوارض سے جو باعث نجاست ہیں، پاک و منزہ ہیں، بلکہ تمام نجاستوں سے پاک و طاہرہ ہیں۔ آپ خاتون جنت ہی نہیں بلکہ تمام خواتین جنت کی سردار اور سیدۃ النساء العالمین ہیں۔ فاطمہؑ ایک حور ہیں، خلقت بنی آدم میں۔ فاطمہؑ عذرا ہیں یعنی تابندہ و روشن۔ آپ تمام صفات علم و کمال میں صاحب برکت تھیں لہٰذا مبارکہ ہیں۔ صدیقہ ہیں، اس لئے کہ تمام عمر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ راضیہ و مرضیہ ہیں کہ ہمیشہ رضائے الٰہی میں راضی رہیں۔ افضل النساء و خیر النساء ہیں۔ اپنے باپ کی طرح شفیعہ روز جزا ہیں۔ محدثہ ہیں کہ اپنی ماں کے بطن مطہر میں ان سے باتیں کرتی تھیں، جس سے غم زدہ ماں کا دل بہل جاتا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر آپ بضعۃ الرسولؐ ہیں یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ فاطمہؑ میرا حصہ ہے، مجھے وہ چیز ایذا دیتی ہے جو اسے ایذا دیتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جناب فاطمہؑ کے بہت سے نام اور القاب ہیں مگر ان کے فضائل بے شمار ہیں۔ خود ارشاد پیغمبرؐ ہے کہ بہترین عورتیں چار ہیں۔ آسیہ زوجہ فرعون، مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمدؐ، لیکن ان چار عورتوں میں تمام عالم کی سیدہ و سردار فاطمہؑ ہیں۔ ۱

جناب فاطمہؑ کی عظمت و فضیلت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ کبھی ان کی شان میں آیۂ تطہیر کا نزول ہوتا ہے، کہیں مباہلہ میں بلائی جاتی ہیں، کبھی سورۂ ھل اتی اترتا ہے اور پیدا ہوتی ہیں تو سورۂ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کے سائے میں، یعنی کفار کی جانب سے حضورؐ کو بے اولاد اور نسل بریدہ ہونے کا طعنہ دیے جانے کے جواب میں اور مزید یہ کہ خدائے بزرگ و برتر کی جانب سے اس خوش خبری کے ساتھ کہ "بے شک ہم نے (اے رسولؐ) تمہیں کوثر عطا کیا (کثرت اولاد عطا کی)۔ پس تم اپنے رب کی نماز پڑھو اور قربانی دو۔ بے شک تمہارا دشمن ہی بے اولاد رہیگا۔"، اور شب معراج جنت کے اس خوشبو دار سیب کے جوہر سے جو کہ حضورؐ کی پشت مبارک میں جمع فرمادیا گیا اور پھر جناب خدیجۃ الکبریٰ (س) کے بطن مبارک میں منتقل ہوا۔ ۲

چنانچہ ثابت ہوا کہ فاطمہ عالم اسلام ہی نہیں بلکہ سارے عالم کی وہ عظیم ترین خاتون ہیں کہ جن کی مثال نہیں ملتی۔ اسی لئے فاطمہؑ سے عقیدت جزو ایمان تسلیم کی جاتی ہے اور اس کا اظہار باعث برکت وسعادت ہے۔ لہٰذا وہ شعراء جو جناب فاطمہ زہراؑ سے عقیدت رکھتے ہیں، اپنے کلام میں اس کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ دنیا کی دیگر زبانوں سے قطع نظر اگر صرف اردو شاعری پر نظر ڈالی جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اردو شاعری کی کوئی صنف ایسی نہیں ہے جس میں جناب سیدہؑ کا ذکر مبارک نہ کیا گیا ہو۔ چاہے وہ غزل ہو یا نظم۔ مثنوی ہو یا مرثیہ قصیدہ ہو یا سلام۔ رباعی ہو یا قطعہ یا ترجیع بند و ترکیب بند ہو، جناب فاطمہؑ کا تذکرہ قدم قدم پر ملتا ہے اور اس طرح ملتا ہے کہ از مہد تا لحد جناب سیدہؑ کی پوری زندگی ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

جہاں تک اردو مثنویوں کا تعلق ہے ایسی بے شمار مثنویاں ملتی ہیں جن میں شہدائے کربلا کے علاوہ ائمہ کرام اور چہاردہ معصومینؑ کے فضائل، حالات زندگی اور واقعات و معجزات نظم کئے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے جناب سیدہ زہراؑ کا ذکر کہیں ضمناً ملتا ہے اور کہیں خود جناب فاطمہؑ کے حال میں بھی کئی مثنویاں لکھی گئی ہیں۔ جیسے دکن میں ولی ویلوری نے "دعائے فاطمہؑ"، کے نام سے ایک مثنوی لکھی۔ اسی طرح سید اسمٰعیل امروہوی کی مثنوی "وفات نامۂ بی بی فاطمہؑ"، جو ۱۱۰۵ھ کی تصنیف کردہ ہے، جناب فاطمہؑ کی وفات

حسرت آیات کے واقعات پر مبنی ہے۔

اس کے علاوہ شاہ افضل الہ آبادی جو ایک صاحب حال صوفی عالم اور شاعر تھے۔ اور غالبؔ ناسخ کے شاگرد تھے، ان کے ایک نثری ترجمے میں ایک مثنوی پنج تن پاکؑ اور اہل بیتؑ کی شان میں موجود ہے جن میں حضورؐ کو چھوڑ کر بقیہ چہار تن یعنی حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو شاہ افضل "اہل بیت"، یا صاحب کساء قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ رے اہل بیتؑ کی شان
نازل ہوا جن کے حق میں قرآن
آلائش دنیوی سے ہیں پاک
ہیں قلزم اخروی کے تیراک ع
اصحاب گلیم ہیں یہی چار
مخصوص کریم ہیں یہی چار
کیا رتبہ انہیں دیا نبیؐ نے
اصحاب کساء کہا نبیؐ نے

مثنوی نگاران تمام اصحاب کساء کی مدح کے بعد فرداً فرداً ہر صاحب کساء کی مدح کرتا ہے، جناب فاطمہؑ کی شان میں کہتا ہے:

ایک اس میں سے بنت مصطفےٰؐ ہے
جو زوجہ پاک مرتضیٰؑ ہے
سردار نساء عالمیں ہے
مثل اس کے کوئی کہیں نہیں ہے
مریمؑ جسے اپنا فخر جانے
اور آسیہ جس کو جی سے مانے
ہے مجھ کو پسند قول مالک ع
جو دین رسولؐ کا ہے سالک

وہ بضعہ پاک مصطفےٰؐ ہے
ہر ایک سے وہ رتبے میں سوا ہے
کہتے ہیں قصیدہ ہم اسی کو
تفضیل اس پر نہیں کسی کو
وہ، وہ ہے کہ جو رہی رضا پر
بیٹوں کو دیا رہ خدا پر

(بحوالہ مثنوی نگاری از علی جواد زیدی صفحہ ۱۲۵)

مثنوی میں بھی جناب فاطمہ زہراؑ کی رخصتی کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ احادیث گواہ ہیں کہ جناب فاطمہؑ کا عقد پہلے آسمان پر ہوا پھر باقاعدہ زمین پر۔ یہ شادی آسمان میں کچھ اس طرح انجام پائی کہ خدا ولی عقد تھا۔ جبرئیلؑ نے خطبہ پڑھا، میکائیلؑ نے ندا دی، اسرافیلؑ نے دعوت دی، عزرائیلؑ نے بہشت کو سجایا۔ سدرۃ المنتہیٰ کی آرائش کی گئی۔

> **جناب فاطمہؑ کی عظمت و فضیلت کا اندازہ**
> **اس سے بھی ہوتا ہے کہ کبھی ان کی شان میں آیۂ تطہیر کا نزول ہوتا ہے، کہیں مباہلہ میں بلائی جاتی ہیں، کبھی سورۂ ھل اتی اترتا ہے اور پیدا ہوتی ہیں تو سورۂ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَر کے سائے میں**

اس کے علاوہ مصحفیؔ نے ریاض الفصحاء میں آغا محمد حسین برشتہ دہلوی ثم لکھنوی (جنہیں بعض تذکرہ نگاروں نے میرؔ، سوداؔ اور ناسخؔ کا شاگرد بتایا ہے) کی ایک ضخیم مگر ناقص الآخر مثنوی کا ذکر کیا ہے، جو چہاردہ معصومینؑ کے فضائل و مصائب پر مشتمل ہے اور جس کا عنوان ہی غالباً "مثنوی مہ چاردہ"، ہے۔ اس میں بھی جناب فاطمہ زہراؑ کا تذکرہ اور حال موجود ہے۔

علی جواد زیدیؔ نے اپنی کتاب 'مثنوی نگاری' میں مولانا محمد لطیف زنگی پوری کی آٹھ مثنویوں کا ذکر کیا ہے جس میں ایک مثنوی کا عنوان ہے "جلوۂ زہراؑ"۔ دکن میں رسم جلوہ دراصل آرسی مصحف یا رخصتی کو کہا جاتا تھا اس

جنت کی حوروں نے جناب فاطمہؑ کا سنگھار کیا اور درخت طوبیٰ نے یاقوت و زبرجد، ہیرے موتی نچھاور کئے۔ دنیاوی عقد و نکاح کے کچھ دنوں بعد حضورؐ کی جانب سے فاطمہؑ کی رخصتی کا اہتمام کیا گیا جو نہایت سادہ مگر پُر شکوہ تھا۔ مولانا لطیفؔ زنگی پوری اس منظر کو یوں پیش کرتے ہیں:

بصد زینت ہوئیں زہراؑ روانہ
تن اقدس پہ تھا جوڑا شہانہ
اگرچہ تھا نہ کروفر سے مطلب
مگر یہ لوگ تھے حق کے مقرب
سدا خالق نے ان کے ناز اٹھائے
فرشتے خود اُسے پوشاک لائے
بہشتی پیرہن زیب بدن تھا

سراپا نور کے سانچے میں تن تھا
یہاں لغزش ہوئی میرے سخن کو
شرف زہراؑ سے تھا، اس پیرہن کو

فضائل سیدہؑ کے متعلق اتنی روایتیں مشہور ہیں کہ ان کا بیان کرنا مشکل ہے۔ البتہ ایک روایت عام طور پر ان کے معتقدین، خصوصاً خواتین میں مقبول ہے اور ہندستان میں تو عام ہے، وہ ہے "جناب سیدہؑ کی کہانی۔" عورتیں اکثر مصائب کے وقت منت مانتی ہیں کہ اگر وہ اس مشکل سے چھوٹ گئیں تو جناب سیدہؑ کی کہانی سنیں گی۔ کہانی کی صداقت کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا لیکن اہمیت عقیدے اور عقیدت کی ہے۔ مختار مبارک پوری نے ایک مکمل مثنوی اسی کہانی کے بیان میں تحریر کی ہے گویا یہ مثنوی جناب سیدہؑ کی کہانی کی منظوم شکل ہے۔ زبان صاف اور رواں ہے۔ ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو:

یہ کسی شہر کا ہے اک قصہ
اس میں کوئی سنار رہتا تھا
اس کی بیوی فرشتہ سیرت تھی
پاک دامن تھی، نیک سیرت تھی
پہنچی اک دن کنوئیں پہ بھرنے آب
سن کے یہ شور ہوگئی بے تاب
اس کا نور نظر کمہار کے گھر
جلتے آوے میں گر گیا جاکر
اس قدر روئی ممتا کی ماری
ہوگئی اس پہ اک غشی طاری
اسی حالت میں دیکھا اس نے خواب
ایک بی بی الٹ کے اپنا نقاب
نرم لہجے میں اس سے کہنے لگیں
اس قدر ہو رہی ہو کیوں غمگیں

مختار مبارک پوری نے ایک مکمل مثنوی اسی کہانی کے بیان میں تحریر کی ہے گویا یہ مثنوی جناب سیدہؑ کی کہانی کی منظوم شکل ہے۔ زبان صاف اور رواں ہے۔ ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو:

یہ کسی شہر کا ہے اک قصہ
اس میں کوئی سنار رہتا تھا

اور یہ بی بی جناب سیدہؑ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھیں۔

جناب فاطمہؑ کے حال میں ایک قابل ذکر مثنوی سید اسمٰعیل حسین خان منیر کی معراج المضامین ہے جو ۱۲۸۶ھ میں مطبع گلشن باقری، لکھنؤ سے طبع ہوئی۔ یہ طویل مثنوی در اصل معجزات آئمہ معصومینؑ کے بیان میں ہے۔ اور اسی ضمن میں جناب فاطمہ زہراؑ کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ سب سے پہلے فضائل جناب سیدہؑ بیان کیے گئے ہیں:

جناب فاطمہؑ، صدیقہؑ پاک
گرامی دختر سلطان لولاکؐ
جگر بند نبیؐ، محبوب حق
فلک کی روشنی، جنت کی رونق
لقب انسیۃ الحورا و زہراؑ
حریم پاک پر حوروں کا پہرا
عیاں ہے علم اشرف فاطمہؑ کا
گواہ اس پر ہے مصحف، فاطمہؑ کا
خدا و مصطفےٰؐ کرتے تھے خاطر
فرشتے خدمت اقدس میں حاضر
کریم، طاہرہ، مخدومہ زہراؑ
شفیعہ، صادقہ، معصومہ زہراؑ
صغائر سے، کبائر سے بھی طاہر
زمان مہد سے تا وقت آخر
خوشی میں، رنج میں، پاکیزہ اوقات
سوائے حرف حق ہرگز نہ کی بات
موافق مرضی خالق سے گفتار
نبیؐ سے متحد کردار و رفتار
زمانہ بھر میں جو آب و نمک ہے
انہیں کے مہر میں وہ حشر تک ہے

پھر ساقی نامے کا آغاز ہوتا ہے۔ جناب سیدہؑ کے حال میں ساقی نامہ لکھنا بڑا نازک مقام تھا مگر شاعر پورے ہوش وحواس کے ساتھ ادب کی ان منزلوں سے گزر گیا، یہ کہہ کر کہ:

پلا ساقی شراب پاک تسنیم
کہ جس کا نشہ ہو آداب و تسلیم
دکھا دے مجھ کو مے خانۂ نور
جہاں ہوں مہوش پیمانۂ نور

دوے خانہ جہاں ہو بادۂ شرم
جہاں کا فرش ہو سجادۂ شرم
وضو کے واسطے ہو آب کوثر
قلم ہو شاخ طوبیٰ سے فزوں تر
ورق ہو صفحۂ پیشانیٔ نور
مداد پاک دود شعلۂ طور
بتائیں راز پوشیدہ سرافیلؑ
ادب سے لکھنے بیٹھیں اس کو جبریلؑ
بہم ہوں جب یہ اسباب سعادت
تو لکھی جائے زہراؑ کی ولادت

اس کے بعد ولادت زہراؑ کا حال قلم بند کیا ہے۔ امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جب وقتِ ولادت زہراؑ قریب ہوا تو بی بی خدیجہؑ تنہائی کی وجہ سے غم ناک ہونے لگیں۔ اسی دوران انہوں نے ایک کنیز کو اپنی سہیلیوں اور قریش کی عورتوں کے پاس روانہ کیا اور پیغام دیا کہ پرانے کینے کو فراموش کر دو اور اس نازک موقع پر میری مدد کو آؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کنیز روتی ہوئی واپس آئی اور کہا کہ جس کے گھر کا دروازہ میں نے کھٹکھٹایا اس نے مجھے اندر آنے نہیں دیا۔ سب نے یک زبان ہو کر یہی کہا کہ خدیجہؑ سے کہہ دو کہ تم نے ہماری نصیحت قبول نہ کی تھی اور ہماری مرضی کے خلاف ایک فقیر و یتیم سے شادی کر لی تھی، اس لئے نہ ہم تمہارے گھر آ سکتے ہیں اور نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔ ۸ جناب خدیجہؑ یہ سن کر دل گیر ہو گئیں اور خالق دو جہاں سے دعا مانگنے لگیں۔ اس کے بعد کی روایت منیر یوں نظم کرتے ہیں:

ابھی تھیں بے کسی سے آپ ناچار
کہ آئیں سامنے سے عورتیں چار
کشیدہ قامت و خورشید پیکر
لباس جسم پاکیزہ سراسر
دل مخدومہ میں آیا یہی دھیان
بنی ہاشم کی شاید ہیں یہ نسوان
وہ بولیں کیوں تردد میں ہیں حضرت
خدا نے ہم کو بھیجا بہر خدمت
یہ کی تقدیر نے اپنی رسائی
کہ حضرت کی بنیں دائی، جنائی
یہ مریم ہیں، میں ہوں سارہ مقرر
سوم کلثوم ہیں، موسیٰؑ کی خواہر
چہارم آسیہ بنت مزاحم
خدا کی مورد لطف و مراحم
ہوئیں خدمت میں وہ جس وقت حاضر
ولادت کے ہوئے آثار ظاہر
غرض چمکا یکایک کوکب نور
ہوا ظاہر خدا کا راز مستور
تجلی ہو گئی بالائے افلاک
فرشتوں کو ہوا دشوار ادراک
کہا ہاتف نے یہ ہے نور زہراؑ
فروغ رحمت مہ نور زہراؑ

منیر آگے چل کر شمعون یہودی والی مشہور روایت نظم کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک سائل آنحضرتؐ کے پاس مسجد میں آیا وہ بھوکا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کون ہے جو اس کو کھانا کھلائے۔ حضرت سلمان اٹھے اور اعرابی کو ساتھ لے کر خانۂ زہراؑ تک آئے اور سارا ماجرہ جناب سیدہؑ کو بتایا۔ مگر یہاں تین دن سے فاقہ تھا۔ جناب سیدہؑ نے حضرت سلمان کو اپنی چادر دی کہ شمعون یہودی کے پاس لے جاؤ اور اسے گروی رکھ کے جنس لے آؤ۔ حضرت سلمان نے ایسا ہی کیا اور وہاں سے جو لے کر واپس آئے، جناب سیدہؑ نے اسی وقت جو چکی میں پیسے اور روٹی پکا کر سلمان کے حوالے کی۔ حضرت سلمان نے کہا اس میں سے کچھ حسنینؑ کے لئے بھی رکھ لیجئے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ جو چیز راہ خدا میں دے دی، اُسے واپس لینا مناسب نہیں۔"۹ منیر شمعون یہودی کی زبان سے چادر زہراؑ کی مدح میں فرماتے ہیں:

یہودی نے ردا کو لے کے کھولا
بہائے اشک عبرت اور بولا
کہ اے سلمان زہد انبیا دیکھ

حضرت سلمان نے ایسا ہی کیا اور وہاں سے جو لے کر واپس آئے جناب سیدہؑ نے اسی وقت جو چکی میں پیسے اور روٹی پکا کر سلمان کے حوالے کی۔ حضرت سلمان نے کہا اس میں سے کچھ حسنینؑ کے لئے بھی رکھ لیجئے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ جو چیز راہ خدا میں دے دی، اُسے واپس لینا مناسب نہیں۔

ردائے دختر خیرالوریٰ دیکھ
کہ جس زہد کے موتی نے اوصاف
حقیقت میں وہی یہ زہد ہے صاف
یہ کہہ کر وہ ہوا دل سے مسلماں
ملا فیض ردا سے اس کو ایماں
ردائے پاک کا دیکھو تو اعجاز
ہوا اسلام سے گھر اس کا ممتاز

مرزا دبیرؔ نے بھی تقریباً چار ہزار سے زیادہ اشعار پر مشتمل ایک مثنوی احسن القصص لکھی ہے جس میں ہر ایک معصوم کی ولادت کا حال نظم کیا ہے اور ان کے معجزات کا ذکر بھی موجود ہے۔ ایسی مثنویاں عام طور پر میلادناموں کی حیثیت سے یوم ولادت کے باسعادت موقعوں پر پڑھی جاتی تھیں۔ یہ مثنوی مختلف حصوں میں منقسم ہے اور ہر حصے کے لئے ایک مخصوص عنوان مقرر کیا گیا ہے اور بیشتر حصے اور ضمنی واقعات ساقی نامے سے ہی شروع ہوتے ہیں اس کے بعد حالات معصومینؑ دیئے گئے ہیں۔ ۱۰؎ مثلاً حال حضرت فاطمہ زہراؑ یوں شروع ہوتا ہے:

بیا ساقی در بزم ایمان بیا
بدہ ساغر حب خیر النساء

اس کے بعد "حالات ولادت باسعادت حضرت فاطمہ زہراؑ"، کے عنوان سے خاتون جنت کی ولادت کا حال نظم کیا ہے۔ مثنوی کا یہ حصہ ۲۱۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ دو شعر ملاحظہ ہوں:

زمیں پر کھڑی ہیں صفیں نور کی
زمانے میں آمد ہے کس نور کی
نثار اس تجلی پہ جبریلؑ ہے
در عرش اعظم کی قندیل ہے ۱۱

مثنویوں کے علاوہ جس صنف میں جناب فاطمہ زہراؑ کا ذکر سب سے زیادہ ملتا ہے، وہ ہے مرثیہ۔ گوکہ اردو مرثیے کا خاص موضوع واقعۂ کربلا اور ذکر شہدائے کربلاؑ ہے لیکن کربلا کے اکثر شہیدوں کا تعلق اولاد فاطمہؑ یا اصحاب و انصار اولاد فاطمہؑ سے ہے۔ لہٰذا کسی طرح مرثیوں میں تذکرۂ فاطمہ زہراؑ کا پہلو نکل ہی آتا ہے۔

مثنویوں کے علاوہ جس صنف میں جناب فاطمہ زہراؑ کا ذکر سب سے زیادہ ملتا ہے، وہ ہے مرثیہ۔ گوکہ اردو مرثیے کا خاص موضوع واقعۂ کربلا اور ذکر شہدائے کربلاؑ ہے لیکن کربلا کے اکثر شہیدوں کا تعلق اولاد فاطمہؑ یا اصحاب و انصار اولاد فاطمہؑ سے ہے۔ لہٰذا کسی طرح مرثیوں میں تذکرۂ فاطمہ زہراؑ کا پہلو نکل ہی آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدا سے تاحال اردو مرثیہ فاطمہ زہراؑ کے تذکروں سے پُر ہے۔ یہاں تمام مرثیہ نگاروں کے مراثی کا جائزہ لینا مشکل بھی ہے اور محال بھی۔ صرف بعض مرثیوں سے چند مثالیں دی جارہی ہیں۔ جن سے اندازہ ہوگا کہ جناب فاطمہؑ کا ذکر مبارک کبھی مرثیے کا مطلع بن کر نمودار ہوا ہے اور کبھی کسی شہید کی شہادت پر جناب فاطمہؑ کی فریاد ملتی ہے۔ ان میں سے بعض کسی روایت سے شروع ہوتے ہیں۔ بعض میں کسی خاص واقعے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ بعض مصرعے بیانیہ ہیں۔ بعض میں شاعر عزاداران کربلا سے جناب فاطمہؑ کے تعلق سے خطاب کرتا ہے، ملاحظہ ہو:

۱۔ لہو روتی ہیں بی بی فاطمہؑ اپنے حسینیاں تیں۔
—(فریادی) (قلی قطب شاہ)

۲۔ فاطمہؑ کے پوت بن اس جگ منیں نور کہیں
—(بیانیہ) (قلی قطب شاہ)

۳۔ اے مومنو خاتون قیامت سے ہو آگاہ۔
—(خطابیہ) (غم گین)

۴۔ کہتی تھی فاطمہؑ کہ مرا گل بدن حسینؑ۔
—(فریاد فاطمہؑ) (احسان)

۵۔ فاطمہ زہراؑ کو الفت باپ سے تھی جو مدام۔
—(واقعاتی) (افسردہ)

۶۔ ہے روایت فاطمہؑ محشر میں ہو جب داد خواہ
—(روایت) (افسردہ)

۷۔ خانہ زاد حق کی جس دم خانہ آبادی ہوئی۔
—(واقعاتی) (افسردہ)

۸۔ خبر حسینؑ کی جس دم بتولؑ نے پائی۔
—(واقعاتی) (افسردہ)

۹۔ رن میں خاتون قیامت کی سواری آئی۔
—(بیانیہ) (افسردہ)

۱۰۔ بنت نبیؐ فاطمہ کہتی ہیں اے ذوالجلال۔
—(فریادی) (مہربان خان۔ کلیات سودہ)

۱۱۔ دل خیر النساء جس دم کراہا۔

—(بیانیہ) (مہربان خان۔ کلیات سودہ)

۱۲۔ جو فاطمہؑ پہ بعد نبیؐ کے ستم ہوا۔

—(بیانیہ) (میر خلیق)

۱۳۔ مومنو! خیر النساء بنت حبیب کردگار۔

—(خطابیہ) (میر خلیق)

۱۴۔ عزیزو! آج دل کو فاطمہؑ کے بے قراری ہے

—(خطابیہ) (میر خلیق)

۱۵۔ فاطمہؑ خلد سے جب چاک گریباں آئی۔

—(واقعاتی) (میر خلیق)

۱۶۔ یارو! چمن فاطمہؑ کیا صرف خزاں ہے۔

—(خطابیہ) (میر ضمیر)

۱۷۔ ایک دن فاطمہؑ کو دیکھو گی گریاں زینبؑ۔

—(خطابیہ) (میر ضمیر)

۱۸۔ ہے دختر خاتون قیامت کا عجب حال۔

—(بیانیہ) (میر انیس)

۱۹۔ اب جائیں کہاں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی۔

—(بیانیہ) (میر انیس)

۲۰۔ زہراؑ کے مرقع کو مٹایا جو قضا نے۔

—(واقعاتی) (مرزا دبیر)

۲۱۔ ہو گئی گریۂ زہراؑ سے قیامت ظاہر۔

—(بیانیہ) (مرزا دبیر)

۲۲۔ خاتون کائنات جناب بتولؑ ہیں۔

—(بیانیہ) (مرزا دبیر)

۲۳۔ مریمؑ سے بھی بتولؑ کو رتبہ سوا ملا۔

—(واقعاتی) (مرزا دبیر)

۲۴۔ تاروں کی روشنی میں وہ آنسو بتولؑ کے۔

—(بیانیہ) (جوش)

۲۵۔ فاطمہؑ کی گود سے ابھرا وہ نور حق مگر۔

—(بیانیہ) (امید فاضلی)

اس کے علاوہ مرثیوں کے کرداروں کے ذریعے جناب فاطمہؑ کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً حسنینؑ (خاص طور پر امام حسینؑ) کے لئے جو الفاظ والقاب استعمال ہوئے ہیں۔ وہ جناب فاطمہؑ کی نسبت کو ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے:

خیر النساء کا پیارا، بی بی زہراؑ کا لاڈلا، یوسف زہراؑ، سرو فاطمہؑ، فاطمہؑ کی گود کا پالا، زہراؑ کا چاند، پور بتولؑ، زہراؑ کا لال، جگر بند زہراؑ، فاطمہؑ کا نور چشم، فاطمہؑ کا پوت وغیرہ۔

☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ)

حوالے:

۱ و ۲۔ یہ تمام القاب واسمائے گرامی اور واقعات مختلف احادیث وروایات کی روشنی میں تحریر کئے گئے ہیں۔ حوالے بہت زیادہ ہیں لہٰذا کتابوں کے نام نہیں دئے گئے۔

۳۔ حدیث کساء اور آیۂ تطہیر کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت کے شان نزول کے سلسلے میں جناب عائشہ، جناب ام سلمٰی، معقل بن سیار، ابی الحمراء حذری، انس بن مالک، سعد بن ابی وقاص، واثلہ ابن اسقعہ، حسن ابن علیؑ، علیؑ ابن ابی طالبؑ، ابو سعید حذری، زینب، ابن عباس وغیرہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ ان ہی پنج تن پاک کے حق میں آیۂ تطہیر اتری ہے اور اصحاب کساء بھی یہی ہیں۔

۴۔ صاحب مؤطا، امام مالک جنہوں نے بضعۃ منی، اور سیدۃ النساء العالمین، والی حدیث کا ذکر کیا ہے۔

۵۔ بحار الانوار صفحہ ۳۵۔ بحار ۴۳/۱۰۹۔۱۱۰۔ کفایۃ الطالب ۳۰۰۔ دلائل الامامۃ ۱۱۲۔۱۱۷

۶۔ بحوالہ مثنوی نگاری از علی جواد زیدی صفحہ ۹۶۔

۷۔ حدیث ہے کہ رسول پاکؐ نے فرمایا "آسمان میں قدرت کی طرف سے زمین کا شمس فاطمہؑ کا مہر مقرر ہوا۔ لہٰذا جو شخص جناب سیدہؑ اور ان کی اولاد سے بغض رکھتے ہوئے زمین پر چلے گا اس کے لئے تا روز قیامت زمین پر چلنا حرام ہے۔" بحار الانوار صفحہ ۳۵۔

۸۔ بحار الانوار صفحہ ۴۳۔ دلائل الائمہ صفحہ ۸

۹۔ خاتون جنت۔ مؤلفہ ملک محمد دین صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵۔

۱۰۔ بحوالہ مرزا سلامت علی دبیر۔ محمد زمان آزردہ صفحہ ۱۸۸۔

۱۱۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نیز علماء کی اسانید سے روایت ہے کہ حضورؐ نے محمدؐ و آل محمدؐ کی خلقت نورانی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس وقت خدا نے فرشتوں کا محمدؐ و آل محمدؐ کے بارے میں امتحان لینا چاہا تو ان پر ایک تاریکی ایسی طاری کر دی کہ وہ گھبرا گئے اور تنگ آ کر عرض کرنے لگے کہ خدایا ان انوار کی برکت سے حالت کو بدل دے تو خدا نے ایک نورانی قندیل بنام حضرت فاطمہؑ جانب عرش آویزاں کر دی۔ جس کی وجہ سے تمام آسمان وزمین روشن ومنور ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

سیرت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

از غلام علی پیپوش۔ سویڈن

اے جگر گوشۂ رسولؐ فاطمہؑ! میں آپ کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں مگر عقل حیران ہے کہ اپنی بات کیسے اور کہاں سے شروع کروں۔ آپ نبوت و رسالت کی بیٹی ہیں۔ آپ آیہ مبارکہ انا عطینک الکوثر کی تفسیر ہیں۔ آپ آغوش رسالت کی ناز پروردہ اور چہیتی بیٹی، عصمت و طہارت سے پیراستہ، تعلیمات رسالت پناہ کے جواہرات سے معمور، آپ دنیا کی چار عظیم خواتین میں افضل ہیں۔ اگر خداوند عالم مظہر العجائب علی ابن ابی طالبؑ کو پیدا نہ کرتا تو کون تھا جو اس دنیا میں حضرت فاطمہ زہراؑ کا کفو و ہمسر بنتا۔ ان دونوں نورانی ہستیوں نے ایک ہی میں ایک ہی گھر میں پرورش پائی، گھر بھی کونسا نبوت کا گھر، رحمت کا گھر۔ آغوش بھی کونسی آغوش، رحمت للعالمینؐ کی آغوش۔ اگر حضرت علیؑ ساقی کوثر تو یہ شفیعۂ روز محشر۔

جناب سیدہ (س) کی عبادت کو کون شخص بیان کر سکتا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ عبادت خدا ان ہی کے لئے تھی اور یہ عبادت خدا کے لئے۔ ان کے لئے ان کی زندگی کا کوئی لمحہ یاد الٰہی سے خالی نہ ہوتا تھا۔ نماز پڑھتے وقت حضرت (س) کا چہرۂ مبارک زعفرانی ہو جایا کرتا تھا جس کا عکس در و دیوار پر پڑتا تھا۔ تقویٰ خداوندی کا یہ عالم تھا کہ حالت نماز میں تمام جسم مطہر میں تھرتھری پیدا ہو جاتی تھی۔ اس قدر گریہ کرتی تھیں کہ تمام جانماز آنسوؤں سے تر ہو جایا کرتی تھی۔ ہاں، سیکھیں، ہماری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں، سبق حاصل کریں سیدانیاں، اپنی شہزادی خاتون جنت سے کہ نماز کس طرح پڑھی جاتی ہے۔

شرم و حیا کی یہ کیفیت تھی کہ ایک روز عبداللہ ابن مکتوم، جو نابینا تھے، حضور سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰؐ کی تلاش میں سیدہ عالم (س) کے دروازے تک آئے۔ حضرت نے محض سیدہؑ کے امتحان کی غرض سے فرمایا کہ عبداللہ کو اندر بلا لو۔ یہ سن کر حضرت فاطمہؑ حجرے میں دوڑ کر چلی گئیں، حضرتؐ نے فرمایا: بیٹی فاطمہؑ! عبداللہ تو اندھے ہیں۔ عرض کیا: بابا جان! اگر وہ اندھے ہیں تو فاطمہ تو اندھی نہیں ہے۔ حضرت محمدؐ نے فاطمہ زہراؑ کو سینے سے لگا کر فرمایا: میری نور نظر! تو زنان عالم کی سردار ہے۔ تجھ سے میری امت کی بیبیاں پردہ کا سبق حاصل کریں گی۔ اس معدن عصمت و طہارت کی حیا و شرم کا تقاضا تھا کہ معصومہؑ نے وقت رحلت، وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ رات کے اندھیرے میں اٹھایا جائے اور جنازے پر بھی پردہ ڈالا جائے۔ ہاں، سیکھیں دنیا کی پردہ والی بی بیاں اپنی شہزادی سے، پردہ داری اور شرم و حیا، مستورات کے لئے بہترین زیور ہے۔ عفت و عصمت بہترین زینت ہے۔ پردہ صرف یہی نہیں کہ خود کو نامحرم کی نظر سے بچایا جائے بلکہ حقیقی پردہ یہ ہے کہ اپنی نظر بھی نامحرم پر نہ پڑنے دیں۔

جناب فاطمہ زہراؑ کی قناعت اور صبر کی یہ حالت تھی کہ آپ اپنے گھر کی تنگدستی اور ناداری سے ایک لمحہ کے لئے بھی بددل نہیں ہوئیں۔ گھر کے کام کاج کے متعلق شہزادی عالم کی یہ کیفیت تھی کہ تمام کام خود بہ نفس نفیس انجام دیا کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہ زہراؑ چکی خود چلا کر اناج پیستی تھیں جس سے دونوں ہاتھ زخمی ہو جاتے تھے۔ ہر ایک حالت میں شوہر کی اطاعت کیا کرتی تھیں۔ اپنے شوہر کی حوصلہ افزائی کرتی تھیں۔ حضرت علیؑ اکثر ان سے فرماتے تھے: اے مادر حسینؑ! میں خدا تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں جس نے مجھے تم جیسی طاہرہ و صابرہ اور اطاعت شعار زوجہ عطا فرمائی۔

جناب فاطمہ زہراؑ کی رحلت کے بعد کسی نے علی مرتضیٰؑ سے عرض کیا کہ اپنی زوجہ مطہرہ کے اخلاق کے متعلق کچھ ارشاد فرمایئے۔ حضرت زار و قطار رونے لگے اور فرمایا: وہ جنت کا ایک خوشبودار پھول تھیں، جس کے مرجھانے پر اس کی خوشبو سے اب تک میرا دماغ معطر ہے۔

رسول اکرمؐ فاطمہؑ کو بضعۃ منی کہا کرتے تھے، یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، نہ ہی یہ جذباتی جملے ہیں بلکہ رسول اکرمؐ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فاطمہؑ صورت، سیرت، عمل، گفتگو، عقیدہ وایمان، تقویٰ اور عرفان....... میں عین رسولؐ ہیں۔ چنانچہ رسول اکرمؐ بار بار ارشاد فرماتے تھے کہ فاطمہؑ میرا ایک جزو ہیں، جس نے فاطمہؑ کو راضی کیا، اس نے مجھے راضی کیا جس نے فاطمہؑ کو ناراض کیا، اس نے مجھے ناراض کیا۔

حضرت فاطمہؑ، ہر اس عورت کے لئے ایک مثالی خاتون ہیں جو اپنی زندگی اور اپنی راہ وروش کا انتخاب خود کرتی ہے۔ وہ عورت کے ہر روپ میں ایک نمونہ خاتون ہیں۔ حضرت فاطمہؑ اپنے والد کے لئے اچھی بیٹی تھیں۔ وہ اپنے شوہر کے لئے ایک مثالی زوجہ وشریک حیات تھیں۔ وہ اپنے بچوں کے لئے ایک نمونۂ رحمت ومربّی ماں تھیں۔ وہ اپنے معاشرے کے لئے ایک ذمہ دار اور مجاہدہ خاتون تھیں۔

حضرت فاطمہؑ جیسی عظیم شخصیت کی زندگی کا ہر پہلو حیرت انگیز صفات کا حامل ہے۔ آپؑ رحمت کا لامحدود سمندر اور سرچشمہ محبت ہیں۔ آپؑ نے سادہ زندگی بسر کرنے کا درس دیا ہے اور آپؑ کی ذات والا صفات زندگی کا حقیقی مفہوم ہے۔

ایک عورت اور ایک انسان کامل میں جتنے محاسن وکمالات ہو سکتے ہیں وہ حضرت فاطمہؑ کی ذات میں جلوہ گر دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ایک روحانی اور ملکوتی خاتون تھیں۔ حضرت فاطمہؑ دنیا کی تمام ماؤں کی آبرو ہیں۔ حضرت فاطمہؑ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی ماں ہیں۔ جن کے بارے میں رحمت للعالمینؐ ارشاد فرماتے تھے کہ یہ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اسوۂ فاطمہؑ، دراصل اسوۂ رسولؐ ہے کہ اگر اُسے نمونہ قرار دے کر ہر عورت یہ عہد کرے کہ اُسے اپنا آئیڈیل یا نمونہ مان کر چلنا ہے تو فرد اور معاشرہ دونوں ہی اصلاح پذیر ہوں گے۔ آیئے دعا کریں کہ اے اللہ! ہماری بہنوں اور بیٹیوں کو حضرت فاطمہ زہراؑ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین ☆☆

نذرانۂ عقیدت

آئینہ دار خُلق رسالت ہے فاطمہؑ
مثل رسولؐ مخزن رحمت ہے فاطمہؑ

کونین تاب لا نہ سکے گر اٹھے نقاب
جلوے میں آفتاب قیامت ہے فاطمہؑ

لختِ دلِ رسولؐ و خدیجہؑ کی دلربا
اور ہمسر امیر ولایت ہے فاطمہؑ

اللہ رے مقام کہ اللہ کو ہے عزیز
یعنی کہ فخر و نازش خلقت ہے فاطمہؑ

تعظیم جس کی کرتے تھے محبوب کبریاؐ
وہ مرکز شرافت وعزت ہے فاطمہؑ

درماندۂ حیات ہوں ہو جائے چشم لطف
ہے تجھ پہ آشکار جو حالت ہے فاطمہؑ

مشکل کشا سے کہدو میری مشکلیں ہوں حل
حاجت روائیاں تیری خصلت ہے فاطمہؑ

شیر خداؑ کی ہمدم و دلدار مصطفےٰؐ
جو چاہے دیدے سب تجھے قدرت ہے فاطمہؑ

میں بے نوا ہوں بھردے میرا دامن مراد
مشہور تیرے گھر کی سخاوت ہے فاطمہؑ

آجا ہماری بزم میں اے جان کائنات
دنیا کو پھر سے تیری ضرورت ہے فاطمہؑ

کیوں ڈر ہو مجھکو طاہرہ روز حساب کا
جب ساتھ اپنے بہر شفاعت ہے فاطمہؑ

از: **بانو طاہرہ سعید**
گرین ویو، سیف آباد، حیدرآباد

امام خمینی کی سیاسی زندگی:

ایران کے سیاسی حالات ۱۹۴۱ سے ۱۹۶۱ء تک

از: محمد حسن رجبی

وزیر اعظم علا کی کمزور کابینہ کا ڈیڑھ مہینے بعد زوال ہو گیا اور ڈاکٹر مصدق کو اراکین پارلیمنٹ نے بھاری اکثریت کی حمایت کے ساتھ ۱۷ اردیبہشت ۱۳۳۰ھ ش مطابق ۱۹۵۱ء کو ایران کا نیا وزیر اعظم بنا دیا اور تیل کمپنی کے برطانوی ڈائرکٹروں اور اعلیٰ عہدیداروں کو ایران سے باہر نکال دیا گیا۔ چنانچہ فطری رد عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکومت برطانیہ نے ایرانی تیل خریدنا بند کر دیا اور اپنے جنگی جہازوں اور فوجی بیڑوں کو آبادان کی طرف روانہ کر دیا۔

ڈاکٹر مصدق کی وزارت عظمیٰ کے دوران جو ڈھائی سال سے بھی کم مدت پر مشتمل تھی، ملک میں نہایت اہم اور قسمت ساز حوادث رونما ہوئے جس کا تفصیلی تجزیہ سردست ممکن اور مناسب نہیں ہے البتہ قارئین کرام ان حوادث کا تفصیلی تذکرہ دوسری کتابوں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں اس مختصر سی مدت کے دوران تیل کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے برطانیہ، امریکہ اور عالمی بینک کے نمائندوں کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ چلتا رہا لیکن کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ملک میں اقتصادی مشکلات اور اس کے ساتھ ہی ساتھ سیاسی بے ثباتی اور گروپ بندی کا بازار گرم ہو گیا۔ تمام معاملات تیل کے مسئلہ کے حل سے جڑے ہوئے تھے اور اس مہم میں شکست و ناکامی کا مطلب یہ تھا کہ گروہ بندی بے سروسامانی اور آخری مرحلہ میں مکمل شکست و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ ڈھائی سال سے کچھ کم مدت تک ڈاکٹر مصدق وزیر اعظم کے عہدے پر فائز رہے لیکن ملک کے تمام مرکزی اور صوبائی حکومتی اداروں پر ان کا کنٹرول قائم نہیں ہو سکا۔ وہ فقط ایک جمہوری و سیاسی تحریک کے رہبر اور ایک مستقل و آزاد ایرانی حکومت کے وزیر اعظم بنے رہے یہاں تک کہ خوشگوار حالات کے دوران بھی وہ فقط حکومت کے ایک حصے پر ہی اپنا تسلط قائم کر سکے اور حکومت کے باقی تمام اداروں اور مرکزوں پر سابقہ حکومت سے ہمدردی رکھنے والے ظالم افسروں اور حکمرانوں کا قبضہ تھا جو اپنے ذاتی مفاد و مصالح کی خاطر یا غیر ملکی طاقتوں کے ناجائز مفاد کی حفاظت کی خاطر قومی تحریک کے خلاف سازشوں کا جال پھیلانے میں ہمہ تن سرگرم رہا کرتے تھے۔ اس زمانے میں ایران دو طرفہ حکومت و حاکمیت کا بہترین نمونہ بنا ہوا تھا۔ ایک حکومت کی باگ ڈور قومی طاقتوں کے ہاتھ میں تھی جس کے قائد ڈاکٹر مصدق تھے اور دوسری مصلحت اندیش، ظالم اور خیانت کار حکومتی جماعت کی قیادت شاہ ایران کر رہا تھا جس کو بہر حال اپنی سازشانہ سرگرمیوں میں کامیابی حاصل ہوئی۔[۲]

وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالتے ہی ملک کی دائیں اور بائیں بازو والی سیاسی پارٹیوں نے ڈاکٹر مصدق پر لگاتار حملے شروع کر دیے اور ان کی حکومت کے خلاف احتجاجی کارروائیوں کا بازار گرم ہو گیا۔ رضا خان کے زوال کے ساتھ ہی ساتھ تودہ پارٹی کی تشکیل عمل میں آگئی۔ ابتدائی مرحلہ میں اس کی حیثیت ایک ڈیموکریٹک محاذ کی تھی جس میں مختلف مکاتب فکر سے وابستہ افراد شامل تھے۔ لیکن بعد میں اس محاذ نے ایک ایسی سیاسی پارٹی کی شکل اختیار کر لی جس کا بنیادی مقصد ملک میں پارلمانی نظام کی تشکیل، سیاسی اقتصاد کی از سر نو تعمیر اور رفاہ عامہ و سماجی عدل و انصاف کی تبلیغ و اشاعت تھا۔[۳] ابتدائی مرحلہ میں تودہ پارٹی سوویت یونین کے نقش قدم پر گامزن تھی[۴] لیکن ڈیموکریٹک گروپ آف آذربائیجان کی

تشکیل کے بعد وہ اعلانیہ طور پر قومی اغراض ومقاصد کے خلاف کام کرتے ہوئے ماسکو کی

سیاست خارجہ کی تعمیل میں ہمہ تن سرگرم ہو گئی۔ دنیا کی دیگر کمیونسٹ پارٹیوں کی طرح تودہ پارٹی بھی سوویت یونین کے عالمی مفاد و مصالح کو ملک کے داخلی مفاد و مصالح پر غیر معمولی ترجیح دیتی تھی۔ چنانچہ جس زمانے میں ڈاکٹر مصدق کی حکومت برطانیہ کے خلاف زبردست سیاسی جنگ میں لگی ہوئی تھی اور تیل کی کمپنی کو قومی ملکیت قرار دینے کی وجہ سے ایران اور برطانیہ کے درمیان اقتصادی تناؤ اپنے شباب پر تھا، اس زمانے میں تودہ پارٹی نے سوویت یونین کے جانی دشمن یعنی امریکہ کو اپنے حملوں کا نشانہ بنا رکھا تھا اور داخلی سطح پر یہ پارٹی مصدق کو سامراجی نظام کا طرفدار بنا کر پیش کرتی تھی کیونکہ اس زمانے میں سوویت یونین کا یہ طریقہ کار تھا کہ وہ ہر غیر کمیونسٹی سامراج مخالف تحریک کو رجعت پسند قرار دیتے ہوئے اپنی خارجہ سیاست کو عملی جامہ پہنانے میں لگا رہتا تھا۔

اس زمانے میں تودہ پارٹی سے وابستہ افراد و عناصر کو اصطلاحاً "تودہ نفتی،، کے نام سے یاد کیا جاتا تھا لیکن یہ اصطلاح بذات خود ان کے قول و فعل اور فکر و عمل کے درمیان اختلاف وتناقص کی دلیل تھی کیونکہ یہ لوگ ظاہری طور پر بائیں بازو سے وابستہ ہونے کا مظاہرہ کرتے تھے لیکن ان کے اغراض و مقاصد سامراجیت سے میل کھاتے تھے، اسی وجہ سے یہ لوگ اپنے اشعار اور تبلیغاتی مطبوعات میں تو لیفٹ نظریہ بیان کرتے تھے اور جب عمل کی منزل آتی تھی تو پوری طرح سے دائیں بازو والی پارٹیوں کی طرح ہی عمل کرتے تھے۔

دھیرے دھیرے غلط فہمیوں کی وجہ سے دونوں کے درمیان اختلافات بڑھتے چلے گئے اور بالآخر دونوں کے درمیان جدائی اور علیحدگی پیدا ہو گئی۔

آیت اللہ کاشانی نے مصدق کے نام اپنے ایک مکتوب میں بعض عہدوں پر اُن کی طرف سے کی جانے والی تقرری پر اعتراض و نکتہ چینی کی ۵ اور مصدق نے ان کے خط کے جواب میں ان سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ کچھ دنوں تک حکومتی امور میں مداخلت سے باز آجائیں کیونکہ اصلاحات اسی وقت ممکن ہوا کرتی ہیں جب مصلح اپنے فرائض کو انجام دینے میں پوری طرح آزاد ہو۔۶ اس کے

آیت اللہ کاشانی مصدق کے اس اقدام سے قطعی خوش تو نہ تھے لیکن انہوں نے اس مطالبے کی اعلانیہ مخالفت بھی نہیں کی۔ لیکن آیت اللہ کاشانی کی پوشیدہ نکتہ چینی کو مصدق کے طرفداروں نے مخالفت کا نام دیتے ہوئے، اُن پر طرح طرح کے الزامات لگانا شروع کر دئے۔

ڈاکٹر مصدق کے وزیر اعظم بننے کے بعد سے اُن کی حکومت کے آخری لمحات تک آیت اللہ کاشانی اپنے بیانات، ملک و ملت کے نام جاری ہونے والے اپنے پیغامات نیز اخباری نمائندوں سے ملاقات و گفتگو کے دوران، برابر مصدق کی حکومت کی حمایت کا اعلان کرتے رہتے تھے اور قوام کے خلاف ان کے بیان نے مصدق کو دوبارہ اقتدار دلوانے میں اہم رول ادا کیا تھا لیکن

علاوہ آیت اللہ کاشانی ڈاکٹر مصدق کے اس مطالبہ سے بھی قدرے متفق نہ تھے کہ پارلیمنٹ انہیں چھ مہینے کے لئے غیر معمولی اختیارات دے دے۔

آیت اللہ کاشانی، مصدق کے اس اقدام سے قطعی خوش تو نہ تھے لیکن انہوں نے اس مطالبے کی اعلانیہ مخالفت بھی نہیں کی ہے لیکن آیت اللہ کاشانی کی پوشیدہ نکتہ چینی کو مصدق کے طرفداروں نے مخالفت کا نام دیتے ہوئے، ان

پر طرح طرح کے الزامات لگانا شروع کر دیئے۔ آیت اللہ کاشانی کو مصدق کے طرفداروں کی یہ حرکت اچھی نہ لگی چنانچہ وہ کچھ عرصہ تک ناراض رہے لیکن بعد میں انہوں نے پھر سے مصدق کی حمایت شروع کر دی۔ چنانچہ جب مصدق نے قومی سطح پر اصلاحات کا سلسلہ شروع کیا تو آیت اللہ کاشانی نے ان کے اس اقدام کو بالواسطہ طور پر ایک اسلامی حکومت کا عمل قرار دیا۔ اور اسی سال آبان کے مہینے میں، انہوں نے اپنے ایک بیان میں اعلان کیا:

یہ صحیح ہے کہ اسلام نے مالکیت کے اصول کو تسلیم کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ حفاظت وطن اور ملت اسلامیہ کے عمومی مفاد و مصالح کو نگاہ میں رکھتے ہوئے جس کی وجہ سے سماجی عدل و انصاف کے اصولوں کی خلاف ورزی ہو رہی ہو، حکومت عوام کی ملکیت کو ضبط کر سکتی ہے اور عوام کو اتنی دولت و ملکیت جمع کرنے سے بھی روک سکتی ہے جس کی وجہ سے سماجی عدل و انصاف کے اصولوں کی خلاف ورزی ہو رہی ہو۔ حکومت ایسی املاک کو حرام قرار دے سکتی ہے۔۸

در حقیقت اپنے اس بیان کے ذریعہ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ ولی فقیہ سے اختیار حاصل کرنے کے بعد حکومت سماجی اور اقتصادی عدالت کی تشکیل کے سلسلے میں بنیادی قدم اٹھا سکتی ہے۔ اس بیان کے جاری ہونے کے کچھ دنوں بعد آیت اللہ کاشانی نے ایک دوسرے بیان میں "مصدق سے اپنے پرانے یا نئے اختلاف" کی اعلانیہ تردید بھی کی اور یہ اعلان کیا کہ ان دونوں کے درمیان مکمل مفاہمت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد جب حکومت نے آستانۂ معصومہ قم کے متولی کو معزول کرنا چاہا تو آیت اللہ بروجردی نے مصدق کے اس اقدام کی مخالفت کی لیکن آیت اللہ کاشانی نے اس موقع پر بھی ڈاکٹر مصدق کی اعلانیہ حمایت کی اور مطالبہ کیا کہ "حکومت اپنے منصوبہ معزولی کو عملی جامہ پہنائے۔"۹

> در حقیقت اپنے اس بیان کے ذریعہ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ ولی فقیہ سے اختیار حاصل کرنے کے بعد حکومت سماجی اور اقتصادی عدالت کی تشکیل کے سلسلے میں بنیادی قدم اٹھا سکتی ہے۔

جب خصوصی اور غیر معمولی اختیارات کی چھ مہینے کی مدت پوری ہو گئی تو مصدق نے اس مدت میں مزید ایک سال کے اضافہ کا مطالبہ پیش

کیا۔ آیت اللہ کاشانی، خصوصی اختیارات کے اس مطالبے سے پہلے بھی خوش نہیں تھے اور مصدق کے نام اپنے ایک محرمانہ مکتوب میں وہ اس مسئلہ میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کر چکے تھے لیکن اعلانیہ مخالفت نہیں کی تھی۔ اس بار جب مصدق نے اس مدت میں ایک سال کے اضافہ کا مطالبہ کیا تو آیت اللہ کاشانی نے اس مطالبے کی اعلانیہ مخالفت کی اور اس مطالبے کو ملک کے آئین کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا اور کہا کہ اگر پارلیمنٹ نے ڈاکٹر مصدق کے اس مطالبے کو تسلیم کر لیا تو یہ حکومت کو مطلق العنان بنانے کے برابر ہوگا۔ اس کے علاوہ اس قسم کے اختیارات ملک و ملت کے فائدہ میں نہیں ہیں نیز اس کی کوئی قانونی حیثیت بھی نہیں ہے۔ اگر پارلیمنٹ کے ممبران کچھ عرصہ قبل اس قسم کی غلطی کر چکے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بار بار اس غلطی کو دہرائیں۔"۱۰

اس واقعہ کے بعد حکومت کی طرفداری کرنے والے اخبارات نیز تودہ پارٹی کی حمایت و سرپرستی میں شائع ہونے والے رسالوں نے ایک آواز ہو کر آیت اللہ کاشانی کی مخالفت کا لامتناہی سلسلہ چھیڑ دیا اور ان کے خلاف مختلف النوع تہمتوں کا بازار گرم ہو گیا۔ ڈاکٹر مصدق کو اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے آیت اللہ کاشانی کی حمایت کی سخت ضرورت تھی لہذا انہوں نے آیت اللہ کاشانی سے ملاقات کی اور باہمی اختلافات کو دور کرنے کی کوشش بھی کی۔ دونوں رہنماؤں نے ایک مشترکہ بیان کے ذریعہ یہ پیغام جاری کیا کہ اخبارات اور رسائل نے "اختیارات بل" کے سلسلے میں آیت اللہ کاشانی کے مکتوب کی صحیح ترجمانی نہیں کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ "ہم دونوں قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھنے کی کوشش جاری رکھیں گے اور کسی بھی ممکن حمایت و طرفداری سے باز نہ آئیں گے۔،،[11] اس مشترکہ بیان کے باوجود آیت اللہ کاشانی نے خصوصی اختیارات کی مدت میں توسیع و اضافہ کی مخالفت جاری رکھی۔

دونوں رہنماؤں کے درمیان، ان اختلافات کا برطانوی سامراج نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور دونوں کی حمایت و طرفداری کرنے والوں کی دو جماعتیں بنا دیں اور ماحول کو اس حد تک خراب کیا کہ دونوں کے درمیان موجود اختلافات دوری و علیحدگی میں بدل جائیں اور مذہبی و قومی جماعتوں کے درمیان قائم ہونے والا سیاسی اتحاد درہم برہم ہو جائے۔ قومیت پسند جماعت و عناصر ان واقعات سے ہرگز خوش نہ تھے اور انہیں یہ اندازہ تھا کہ سابقہ شاہی دربار سے وابستہ افراد و عناصر برطانوی حمایت و پشت پناہی میں اختلاف کی اس آگ کو بھڑکانے میں لگے ہوئے ہیں لہذا مصدق کی حکومت کے آخری مہینوں کے دوران ان لوگوں نے اختلافات پیدا کرنے والوں کے خلاف جدوجہد شروع کی اور اسلامی ممالک کے مغرب پرست سیاسی لیڈروں

پر حملہ کرنا شروع کر دیا اور مذہبی افراد و عناصر کو برطانوی سامراج کا ایجنٹ قرار دینا شروع کر دیا۔[12]

ڈاکٹر مصدق کے طرفداروں اور قومی محاذ نامی جماعت کے لوگوں نے آیت اللہ کاشانی پر ایسی ایسی تہمتیں لگائیں کہ نجف اشرف اور قم کے حوزہ علمیہ سے وابستہ علماء نے اس اتہام تراشی کے خلاف صدائے اعتراض بلند کر دی۔[13]

اقتصادی ناکہ بندی، حکومت کی کمزوری و ناتوانی، سیاسی گروہوں اور جماعتوں کے درمیان سازشوں کی غیر معمولی افراط اور خصوصی طور پر حزب تودہ کی منافقانہ راہ و روش کی وجہ سے ایران میں ایسے حالات پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے ایرانی عوام کے درمیان یہ اعتماد قائم نہ رہ سکا کہ مصدق کی حکومت ایران کے موجودہ سیاسی و اقتصادی حالات پر مکمل قابو حاصل کر سکتی ہے لہذا وہ دوبارہ شاہی حکومت کی طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ دوسری طرف شاہی دربار مصدق کے خلاف کی جانے والی سازشوں کے مرکز میں تبدیل ہو گیا اور نوبت یہ آگئی کہ ملک کے سیاسی حالات پر مصدق حکومت کی گرفت ڈھیلی ہوتی چلی گئی۔ ڈاکٹر مصدق نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ایک نئے استصواب عامہ کے ذریعہ ملک کی سترھویں پارلیمنٹ کو ختم کر کے دوبارہ چناؤ کرائے۔ آیت اللہ کاشانی نے مصدق کے اس اقدام پر زبردست نکتہ چینی کی اور مصدق کو اقتدار پرست کے نام سے یاد کیا۔ مصدق کی تنقید کے ساتھ ہی ساتھ، انہوں نے مصدق کے مخالفین کو اجنبی عناصر قرار دیتے ہوئے، یہ اعلان کیا کہ وزیر اعظم "ملک میں مطلق العنانی اور فردی و ذاتی حکومت کی تشکیل کی فضا ہموار کرنے میں سرگرم ہیں اور طاقت کے سہارے نئے استصواب عامہ کی تشکیل کے خواہاں ہیں۔ فقط اتنا ہی نہیں بلکہ آیت اللہ کاشانی نے پارلیمنٹ کی تحلیل کو "خیانت اور ظلم،، کے نام سے یاد کیا اور مصدق کی حکومت کو "اسلامی شریعت کی خلاف ورزی کرنے والی،، حکومت قرار دیا[14] آیت اللہ کاشانی کے اس بیان کے بعد دونوں گروہوں کے درمیان مفاہمت کی کوئی امید باقی نہ رہ گئی۔ اس کے بعد آیت اللہ کاشانی نے پارلیمنٹ کی صدارت سے استعفیٰ دیدیا

اور استصواب عامہ کی تشکیل کو حرام و غیر قانونی قرار دیدیا۔ ان تمام باتوں کے باوجود استصواب عامہ کا اہتمام ہوا اور پارلیمنٹ کو تحلیل کر دیا گیا۔ ایسے نامساعد اور غیر مستحکم حالات میں پارلیمنٹ کی تحلیل ڈاکٹر مصدق کی بہت بڑی غلطی تھی کیونکہ سرکاری طور پر ان کی حمایت کرنے والی واحد تنظیم پارلیمنٹ ہی تھی اگر پارلیمنٹ باقی رہتی تو یہ ممکن تھا کہ بحرانی دور میں شاہ کی بغاوت کے دوران وہ عوام کی حمایت سے دوبارہ کامیاب ہو جاتے۔

بہر حال داخلی اور خارجی سطح پر ڈاکٹر مصدق کی حکومت کے خلاف فوجی بغاوت کی زمین پوری طرح ہموار ہو چکی تھی۔۱۵ امریکہ اور برطانیہ کی جاسوسی کرنے والی تنظیمیں ایران میں موجود اپنے ایجنٹوں کو ہر طرح کی مالی اور اطلاعاتی امداد فراہم کر رہی تھیں چنانچہ ان تنظیموں نے دو مرحلوں میں ڈاکٹر مصدق کی حکومت کا تختہ پلٹنے کا خفیہ اور مشترکہ منصوبہ تیار کیا تھا۔۱۶ اگرچہ ۲۵ مرداد کو ہونے والی پہلی فوجی بغاوت پہلے مرحلہ میں ناکام ہو گئی لیکن اس کے تین روز بعد فوج اور مقامی پولیس نے نامور غنڈوں اور لٹیروں کی مدد سے ڈاکٹر مصدق کے گھر پر دھاوا بول دیا اور وہاں موجود اسناد کی نابودی کے ساتھ ہی ساتھ مصدق کی حکومت کا بھی کام تمام ہو گیا اور شاہ دوبارہ مسند اقتدار کا مالک بن گیا۔۱۷

لیکن ڈاکٹر مصدق کے زوال کو فقط خارجی اور غیر ملکی اسباب و عوامل سے منسوب نہ کیا جانا چاہئے بلکہ بقول ریچارڈ کاتم "اگر مصدق کی حکومت پہلے ہی سے کمزور نہ ہوتی تو ایک ایسی فوجی بغاوت کے ذریعہ اس کا زوال ناممکن تھا جو منصوبہ بندی اور عملی اعتبار سے زیادہ طاقتور نہ تھی۔۱۸

ڈاکٹر مصدق کی حکومت کے زوال کا صرف یہ مطلب نہ تھا کہ انہوں نے فقط تیل کی قومیت کے سلسلے میں جو سیاست اپنائی تھی وہ ناکام ہو گئی بلکہ یہ ایرانی عوام کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی سرنوشت سازی یا قسمت سازی کے لئے ایک اہم تاریخی المیہ بھی تھا کیونکہ اس واقعہ کے رونما ہونے کے بعد ایرانی عوام اپنے دیرینہ ارمان یعنی آزادی و استقلال کی فراہمی سے کسی حد تک مایوس ہو گئے اور ایرانی عوام پر پہلے سے زیادہ خوفناک مظالم کے دوبارہ رونما ہونے کی زمین پوری طرح ہموار ہو گئی۔"۱۹ (باقی آئندہ)

امریکہ اور برطانیہ کی جاسوسی کرنے والی تنظیمیں ایران میں موجود اپنے ایجنٹوں کو ہر طرح کی مالی اور اطلاعاتی امداد فراہم کر رہی تھیں چنانچہ ان تنظیموں نے دو مرحلوں میں ڈاکٹر مصدق کی حکومت کا تختہ پلٹنے کا خفیہ اور مشترکہ منصوبہ تیار کیا تھا۔

حوالے:

۱۔ محمد علی کار توزیان، چشمین ص۔۴۱

۲۔ محمد علی کار توزیان، چشمین ص۔۴۱

۳۔ محمد علی کار توزیان، چشمین ص۔۴۱ ص۔۱۲ نیز گزشتہ، چراغ راہ آئندہ ص۔ ۱۳۴

۴۔ احسان طبری، کژراہہ ص۔۷۲

۵۔ آیت اللہ کاشانی کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ جنرل وثوق کو وزارت جنگ کا سکریٹری کیوں بنایا گیا کیونکہ یہ وہی جنرل وثوق تھا جس نے چند روز قبل قوام کی تین روزہ حکومت کے دوران ڈاکٹر مصدق کی حمایت میں مظاہرہ کرنے والوں کو سنگی کاروانسرا نامی علاقے میں خاک و خون میں غلطاں کر دیا تھا۔

۶۔ مجاہد آیت اللہ کاشانی و نامہ مہندس حسیبی ص۔ ۱۵۔۱۲ بحوالہ شاہرخ اخوی ص۔ ۱۶۳

۷۔ ۱۵۔۱۲ بحوالہ شاہرخ اخوی ص۔ ۱۶۳

۸۔ اطلاعات ۱۴ آبان ۱۳۳۱ھ نقل از شاہرخ اخوی ص ۱۶۴

۹۔ اطلاعات ۱۴ آبان ۱۳۳۱ھ نقل از شاہرخ اخوی ص۔۱۷۵

۱۰۔ اطلاعات ۱۴ آبان ۱۳۳۱ھ نقل از شاہرخ اخوی ۔ص۔۱۷۵

۱۱۔ حمید عنایت، اندیشہ سیاسی ص ۲۱۶۔۲۱۵

۱۲۔ روحانیت و ملی شدن صنعت نفت ص۔ ۱۱۰ و ۱۱۱

۱۲۔ شاہرخ اخوی۔ ص۔ ۱۸۲

۱۳۔ محمد علی کار توزیان۔ ص۔ ۷۲ تا ۷۴ نیز مصدق، نفت و ناسیونالیسم ایرانی، پیش گفتار۔ ص۔ ۱۷، ۱۸

۱۵۔ پانخ بہ تاریخ۔ ص۔ ۷۷

۱۶۔ حسین فردوست۔ جلد اول ص۔ ۱۷۶ تا ۱۸۵

۱۷۔ ریچارڈ کاتم۔ ص۔ ۳۸

۱۸۔ محمد علی کار توزیان۔ ص۔ ۶۱

۱۹۔ حسین فردوست۔ جلد اول ص ۲۸۸، ۳۱۳۔

یوم ولادت

حضرت فاطمہ زہرا (س) کے موقع پر خواتین عالم کے نام آیت اللہ محمد علی تسخیری کا پیغام

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ☆ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ☆ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ☆

حضرت جبرئیل امینؑ نے پیغمبر اکرمؐ کو حضرت فاطمہ (س) کی ولادت کی بشارت دی۔ ملائکہ آسمان پر ایک نور چمکا۔ رسول امینؐ نے اپنی پیشانی سجدہ میں رکھ دی اور خداوند عالم کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس میں محو ہوگئے۔

جلوۂ نور خداوندی اور مظہر جلال و جمال الٰہی حضرت فاطمہ (س) نے اپنے مبارک وجود کے نور سے پوری کائنات کو روشن و منور کردیا۔ دنیا کے عظیم الشان مسلمانوں بالخصوص دنیا کی تمام خواتین کو، اس نور و برکت کی ولادت مبارک ہو۔

خداوند عالم اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں اچھے اور برے انسانوں کے نمونوں کا انتخاب خواتین کے درمیان سے فرماتا ہے اور ایک جگہ پر فرعون کی زوجہ آسیہ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

"ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِلَّذِينَ،،...... فِي الْجَنَّةِ."

(سورہ تحریم۔ آیت ۱۱۔۱۰)

اس عظیم خاتون نے دنیا کی ترک بھڑک سے کوئی سروکار نہیں رکھا تھا اور اپنی نظریں بہشتی گھر پر جما رکھی تھیں۔

دوسری جگہ خواتین کے درمیان شرمناک، کج رفتار اور برے نمونوں کی حیثیت سے دو نوحؑ اور لوطؑ کی زوجہ کا تعارف کراتا ہے۔ لیکن اہم اور غور طلب بات تو یہ ہے کہ مومنین کے لئے نمونہ اور مثالی انسان کا تعارف کراتے وقت نگاہ قدرت ایک عورت ہی کو انتخاب کرتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جملہ نیک خواتین کو حضرت زہرا (س) کی خدمت گزاری کا شرف و افتخار حاصل رہا ہے کیونکہ "ان ابنتی فاطمۃ سیدۃ النساء العالمین۔"

یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ خداوند عالم کی نظر میں عورتوں کے فرائض اور ان کی ذمہ داریوں کی بڑی اہمیت ہے اور خداوند عالم کے اس گرانقدر ارشاد "هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ،، کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم مرد و عورت کو انسانی زندگی میں ایک دوسرے کی تکمیل کا وسیلہ بنا کر پیش کرتا ہے اور انسانی تکامل، اطاعت و بندگی معبود اور دین خداوندی کی حفاظت و پاسبانی میں عورت کو مردوں کی صف میں کھڑا کردیتا ہے اور اس کو اس عظیم عہدہ و مرتبہ پر پہونچنے کے لائق سمجھتا ہے کہ رضا و خوشنودیٔ فاطمہ، درحقیقت رضا و خوشنودیٔ خداوندی کا درجہ حاصل کرلیتی ہے اور پیغمبر اکرمؐ کا یہ ارشاد "ان اللہ لیغضب لغضب فاطمۃ و یرضی لرضاھا،، اس کی واضح دلیل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے اپنی اس مطیع و صالح اور محو عبادت و بندگی خاتون کو ایک ایسی عالمہ کا درجہ عطا فرمایا جو تا قیام قیامت کائنات اور کائنات میں رونما ہونے والے حالات و حوادث سے باخبر ہو۔ یہ گرانقدر و بے مثل عابدہ، صاحب امتیاز عارفہ و زاہدہ اور زنان عالم و خواتین جنت کی سیدہ و سردار خاتون ایسی خطیبہ ہیں جس نے اپنے عدیم المثال خطبہ میں خداوند عالم کی ایسی حمد و ثنا فرمائی جس نے پوری دنیا کو محو حیرت کردیا۔

انسانیت کے اس جلوۂ درخشاں نے اپنے اس پُر مغز اور اہم خطبے میں دنیا والوں کو

حقیقت رسالت اور رسول مقبولؐ کے مقام و مرتبہ کی طرف متوجہ کردیا اور ان پر یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد دین مبین اسلام اور امر الٰہی کے سلسلے میں مسلمانوں کے فرائض کیا ہیں۔ اپنے اس فصیح و بلیغ خطبے میں معصومۂ عالم (س) نے یہ واضح کردیا کہ اوامر و نواہی الٰہی فقط رسول خداؐ کی حیات تک کے لئے مخصوص نہ تھے بلکہ دین مبین اسلام، وحی خداوندی اور احکام الٰہی میں قیامت تک کسی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

چنانچہ اس بے مثل نور کے سایہ میں خاندان وحی و رسالت نے دین خداوندی کی حفاظت و پاسداری کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھائی۔

اس غیرت دار مجاہدہ نے اپنا بچپن والد بزرگوار کے ساتھ عظیم عالمی اور مسلسل جدوجہد کی حالت میں بسر کیا اور شہر مکہ اور شعب ابی طالب میں مصائب و آلام کو بڑی ثابت قدمی کے ساتھ تحمل کرتی رہیں۔ اس کے بعد مدینہ میں وہ ایک ایسے مرد کامل کی زوجہ و شریک زندگی بنیں جس نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ جہاد فی سبیل اللہ میں بسر کیا۔

اگرچہ پیغمبرؐ کی اس چہیتی بیٹی کی زندگی بہت مختصر تھی لیکن ان کی زندگی کا ہر لمحہ زہد و عبادت، جہاد و مبارزہ اور قرآن و نبوت و عترت کے دفاع میں بسر ہوا۔

پس صدیقۂ طاہرہ (س) کے نقش قدم پر چلنے والی دنیا کی تمام مسلمان خواتین کو چاہیے کہ دنیائے بشریت کی اس عظیم الشان خاتون سے زہد و تقویٰ، جہاد و مبارزہ اور انسانیت و حق پسندی کا درس حاصل کرتے ہوئے، اسلام کے سلسلے میں موجود غلط فہمیوں کو دور کرنے میں پیش قدمی سے کام لیں۔

آج دنیا کے ہر گوشے میں بالخصوص افغانستان میں، خواتین مختلف النوع مظالم اور مصائب و آلام میں گرفتار ہیں۔ اور یہ مظالم و مصائب دین مبین اسلام اور انسانی مسائل کے سلسلے میں غلط فہمیوں کا نتیجہ ہیں اور ان مظلوم و ستم رسیدہ مسلمان خواتین کی نجات و آزادی اس وقت تک ممکن نہ ہوگی جب تک ساری دنیا کی مسلمان عورتیں ان کی طرف متوجہ نہ ہوجائیں۔

موجودہ دنیا ثقافتی حملات کی دنیا ہے اور دنیا کی وسعت طلب طاقتیں ان حقیقی ثقافتی قدروں اور معیاروں کے خلاف نبرد آزما ہیں جو حقیقی اور منطقی بنیادوں پر قائم ہیں۔ یہ وسعت طلب سامراجی طاقتیں اور ان کے ایجنٹ اقوام عالم کو خود اعتمادی اور یقین کی دولت سے محروم کردینا چاہتے ہیں۔ اس وقت ان کے ہاتھوں میں قلم کا اسلحہ اور ابلاغ عامہ کا وسیلہ ہے، ان کا نشانہ انسانی فکر اور رائے عامہ ہے اور ان کا مقصد تمام اقوام عالم پر تسلط حاصل کرنا ہے واضح رہے کہ جو چیزیں خوفناک جنگوں کے ذریعہ نہیں حاصل کی جاسکتی ہیں، وہ ثقافتی غلامی کے بندھنوں کے ذریعہ بہ آسانی حاصل ہوسکتی ہیں اور اسی وجہ سے نفی و حقیقی اسلامی ثقافت پر چاروں طرف سے کئے جانے والے حملات کا لامتناہی سلسلہ اپنے شباب پر ہے۔ کیونکہ اسلام دشمنوں کو اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہے کہ اسلام عقیدہ و ایمان اور اعتماد و یقین پر ثابت قدم رہنے کا نام ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اسلامی ثقافت و تہذیب و تمدن کی پیروی کے ارادہ میں اثر و رسوخ اور رخنہ اندازی کا مطلب ہے جہاد یعنی تباہ کن بیگانہ افکار و عقائد کے مقابلے میں ثابت قدم۔ اس ثقافتی ٹکراؤ میں سب سے پہلے دلچسپ و پُر فریب اور جھوٹے و بناوٹی مگر دلکش نمونوں اور ماڈلوں کی تیاری کو انتہائی، مفید و کارآمد وسیلہ سمجھا جاتا ہے تاکہ وہ فضیلت و حقیقت کے نمونوں کی جانشینی اختیار کرسکیں۔ اس سلسلے میں عورت کو ابتذال و پستی اور پوچی و بیہودگی کے بھنور میں گھسیٹنا اور ارزش و آزادی کے نام پر انہیں شیطانی مقاصد کے لئے استعمال کرنا ثقافتی حملہ آوروں بالخصوص مغربی وسعت طلب طاقتوں کا شرمناک ہتھکنڈہ رہا ہے تاکہ وہ ان معاشروں کو تباہی و بربادی سے دوچار کرسکیں جو اپنی دیرینہ قدروں پر راسخ اعتقاد و عقیدہ کے ساتھ ثابت قدم ہیں۔

یہ وسعت طلب سامراجی طاقتیں اور ان کے ایجنٹ اقوام عالم کو خود اعتمادی اور یقین کی دولت سے محروم کردینا چاہتے ہیں۔ اس وقت ان کے ہاتھوں میں قلم کا اسلحہ اور ابلاغ عامہ کا وسیلہ ہے، ان کا نشانہ انسانی فکر اور رائے عامہ ہے اور ان کا مقصد تمام اقوام عالم پر تسلط حاصل کرنا ہے

صاحب ایمان واخلاص مسلمانوں کے لئے دوسری اہم اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ زوال پذیر مغربی ثقافت کے ماہرین کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے کہ کمزور مغربی مفاہیم کو جو غیر انسانی افکار وعقائد، شیطانی خواہشات اور مادی حرص وطمع پر مشتمل ہیں، دنیا کے تمام لوگوں پر مسلط کردیں یہاں تک کہ دنیا کے کمزور ملکوں کے انفرادی واجتماعی قوانین کو بھی ان ذلت آمیز مغربی مفاہیم وعقائد کا پیرو بنادیں چنانچہ قاہرہ اور بیجنگ کی دستاویزوں میں اس کی نظیریں دیکھی جاسکتی ہیں۔

لہذا مخلص اور آزادی پسند خواتین کی ذمہ داری ہے کہ حقیقی اسلامی منابع وماخذ سے اپنے حقیقی حقوق کی شناخت کے ساتھ اس ثقافتی تجاوز کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور دنیا والوں کو مسلمان عورت، انسانی حقیقت اور اس کے ربانی جوہر کا جلوہ دکھادیں۔

۲۰ر جمادی الثانی نور نبوت حضرت فاطمہ زہرا(س) کی ولادت کی سالگرہ کا دن ہے۔ میں اس مبارک موقع پر دنیا کی تمام مسلم خواتین کی خدمت میں پر خلوص مبارکباد پیش کرتا ہوں اور خداوند عالم کی بارگاہ عالیہ میں دست بدعا ہوں کہ وہ انہیں تمام حقوق سے مالامال کرتے ہوئے یہ توفیق عنایت فرمائے کہ وہ معاشرے کے تمام سماجی، ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی امور میں باقاعدہ حصہ لے سکیں۔

محمد علی تسخیری
صدر، سازمان فرہنگ وارتباطات اسلامی
جنرل سکریٹری، مجمع جہانی اہلبیت

اسلام میں پردے کا فلسفہ

استاد شہید مرتضیٰ مطہری

پردے کے سلسلے میں بیان کئے جانے والے فلسفے میں بیشتر وہ توجیہیں تھیں جنہیں پردے کے مخالفین نے خود گھڑ لیا تھا انہوں نے چاہا کہ وہ اس مسئلہ کو خواہ وہ پردے کی اسلامی صورت ہی کیوں نہ ہو 'غیر منطقی اور نامعقول امر کے طور پر پیش کریں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسئلہ کو آغاز ہی سے غیر ضروری سمجھے تو اس کی توجیہ بھی اس کے بیکار ہونے پر مبنی ہوگی۔ اگر یہ بحث کرنے والے اس مسئلہ کو غیر جانبدارانہ طریقے سے جانچتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ اسلامی پردے کے فلسفے کو ان کی کسی مہمل اور بے بنیاد گفتگو سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

ہم اسلام کے نقطۂ نظر سے پردے کے لئے ایک خاص فلسفے کے قائل ہیں جو ازروئے عقل قابل قبول ہے اور تجزیہ وتحلیل کے اعتبار سے ہم اسے اسلام میں پردے کی بنیاد قرار دے سکتے ہیں۔

پردے کے لغوی معنی

قبل اس کے کہ ہم اس بارے میں استنباط کریں' اس نکتہ کی طرف توجہ دینا ضروری ہے کہ پردہ جسے لغت عرب میں حجاب کہا جاتا ہے' لغوی اعتبار سے کس کس مفہوم کا حامل ہے؟ لفظ حجاب پہناوا اور پردہ دونوں مفہوم میں آیا ہے لیکن بیشتر پردے ہی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کو پہناوے کے مفہوم میں اس لئے لیا گیا ہے کہ پردہ پہناوے کا ذریعہ ہے اور شاید ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصل لغت کے اعتبار سے ہر پہناوا حجاب نہیں بلکہ صرف وہی پہناوا حجاب ہوگا جو چہرے کو ڈھانپ دے۔ حضرت سلیمانؑ کے واقعے میں قرآن مجید اس طرح توصیف کرتا ہے: حتّٰی تَوَارَتْ بِالحِجَابِ (سورہ ص۔ آیت ۳۲) یعنی یہاں تک کہ سورج پس پردہ چھپ گیا۔

قلب وشکم کے درمیان واقع ہونے والے پردے کو بھی حجاب کہا جاتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے مالک اشتر کو جو دستور العمل دیا ہے اس میں آپ فرماتے ہیں: فلاتطولن ...... عن رعیتک یعنی زیادہ تر لوگوں کے درمیان رہو اور گھر بیٹھ کر اپنے آپ کو ان سے پوشیدہ نہ رکھو۔

دیکھو حاجب اور دربان تمہیں لوگوں سے جدا نہ کرے بلکہ تم خود ان کے درمیان جاؤ اور ان سے رابطہ رکھو تاکہ کمزور اور لاچار افراد اپنی ضرورتوں اور شکایتوں کو تم سے بیان کر سکیں اور تم ان سے بے خبر نہ رہو۔

ابن خلدون کے مقدمہ میں "فصل فی الحجاب کیف یقع فی الدول وانہ یعظم عند الھرم" کے عنوان سے ایک باب قائم ہے۔ اس باب میں وہ بیان کرتا ہے کہ حکومتیں اپنی تشکیل کے ابتدائی زمانے میں اپنے اور عوام کے درمیان کوئی حجاب یا فاصلہ نہیں رکھتیں لیکن آہستہ آہستہ حکمراں اور عوام کے درمیان ایک وسیع پردہ حائل ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں ناگوار صورت حال رونما ہوتی ہے۔ ابن خلدون نے اس عبارت میں لفظ حجاب کو پہناوا نہیں بلکہ پردہ کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

عورت کے پردے کے بارے میں لفظ حجاب کا استعمال تقریباً ایک نئی اصطلاح ہے۔ زمانۂ قدیم اور خاص کر اصطلاح فقہاء میں لفظ "ستر" پردے کے معنی میں آیا ہے۔ کتاب الصلوٰۃ ہو یا کتاب النکاح 'فقہا نے ہر جگہ پہناوے کے مفہوم میں لفظ حجاب کو نہیں بلکہ ستر کو استعمال کیا ہے۔

بہتر تو یہ تھا کہ لفظ ستر کو لفظ حجاب سے بدلا نہ جاتا اور ہم اسے ستر ہی کہتے 'اس لئے کہ لفظ حجاب کا استعمال عام طور پر پردے کے مفہوم میں ہوتا ہے اور اگر اسے ستر کے مفہوم میں لایا جائے تو وہ عورت کے پس پردہ ہونے کی نشاندہی کرتا ہے اور یہی امر اس بات کا سبب ہوا کہ بیشتر افراد یہ گمان کرنے لگے کہ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ عورتیں پس پردہ اور گھروں میں مقید رہیں اور باہر نہ نکلیں۔ اسلام نے عورتوں کے لئے جو پردہ واجب قرار دیا ہے، اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلیں۔ اسلام عورتوں کو گھروں میں بند کرنے اور قیدی بنانے کا حامی نہیں ہے۔ عورتوں کو سختی کے ساتھ گھروں میں بند کرنے کی جو رسم قدیم ہند اور ایران میں پائی جاتی تھی' اسلام میں قطعاً اس کا وجود نہیں ہے۔

اسلام میں عورت کا پردہ یہ ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ رہن سہن میں اپنے بدن کو ڈھانپے اور نمائش نہ کرے۔ اس سے متعلق قرآن مجید کی آیتیں بھی اسی مفہوم کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ فقہا کے فتوے بھی اس امر کی تائید کرتے ہیں۔ ہم آگے چل کر اس پردے کے حدود کو قرآن وسنت کے منابع سے پیش کریں گے۔ پردے سے متعلق آیات میں لفظ حجاب کا استعمال عمل میں نہیں آیا۔ وہ سورۂ نور ہو یا سورۂ احزاب 'اس بارے میں جہاں کہیں جو آیت بھی آئی ہے' اس میں لفظ حجاب کو استعمال کئے بغیر زن ومرد کے روابط اور پردے کے حدود کا تذکرہ ہے۔ وہ آیت جس میں لفظ حجاب استعمال ہوا ہے، اس کا تعلق پیغمبر اسلام کی ازواج سے ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں ازواج رسولؐ کے بارے میں خاص احکامات وارد ہوئے ہیں۔ پہلی آیت جو اس سلسلے میں نازل ہوئی اس کا آغاز اس جملے سے ہوتا ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (سورۂ احزاب۔ آیت ۳۲)

یعنی اے رسولؐ کی بیویو تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

اسلام کی یہ خصوصی عنایت ہے کہ اس نے ازواج پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی حیات میں یا بعد رحلت اپنے گھروں میں رہنے کی تاکید کی ہے اور اس میں معاشرتی اور سیاسی مقاصد کا دخل رہا ہے۔ قرآن مجید واضح طور پر حکم دیتا ہے: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (سورہ احزاب۔ آیت ۳۳) یعنی اے ازواج رسول تم اپنے گھروں میں بیٹھی رہو۔ اسلام نے یہ چاہا کہ "امہات مومنین" جو بہر طور مسلمانوں کے نزدیک قابل احترام ہیں 'وہ اپنے احترام کو غلط انداز میں استعمال نہ کریں اور بھولے سے بھی سیاسی اور سماجی مسائل میں خود غرض اور فتنہ پرور عناصر کی آلہ کار نہ بنیں۔ جیسے کہ یہ بات ہم پر واضح ہے کہ امہات المومنین میں سے ایک ام المومنین نے اس حکم کی خلاف ورزی کرکے ناگوار سیاسی فتنوں کو عالم اسلام میں راہ دی۔ اگرچہ بعد میں خود انہیں بھی اس بات کا افسوس رہا اور کہا کرتی تھیں: مجھے یہ گوارا تھا کہ پیغمبرؐ خدا سے میری اولادیں ہوتیں اور وہ تلف ہو جاتیں مگر کاش کہ میں اس فتنے میں شریک نہ ہوتی۔

آپ کے بعد آپ کی ازواج کی کسی اور سے تزویج کی ممانعت کا سبب میرے پیش نظر یہی ہے کہ کوئی دوسرا شوہر اپنی زوجہ کی شہرت اور اس کے احترام سے یقیناً ناجائز فائدہ اٹھاتا اور نئے

حادثے رونما ہوتے' اس بنا پر اگر کہیں ازواج رسولؐ کے بارے میں اس سے بھی زیادہ سخت اور شدید حکم پایا جائے تو اس کا سبب یہی ہے۔

بہر حال وہ آیت جس میں لفظ "حجاب" آیا ہے سورۂ احزاب کی آیت ۵۳ ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے: "وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" یعنی جب پیغمبرؐ کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔

تاریخ وحدیث کی اصطلاح میں جہاں کہیں بھی آیۂ حجاب کا تذکرہ ہوا ہے۔ مثلاً یہ کہا گیا ہے: آیۂ حجاب کے نزول سے قبل ایسا تھا یا آیۂ حجاب کے نازل ہونے کے بعد ایسا ہوا تو اس سے یہی آیت مراد ہے جو ازواج رسولؐ سے متعلق ہے نہ کہ سورۂ نور کی آیات جن میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ........

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ......

(سورۂ نور آیات ۳۰-۳۱)

یا سورۂ احزاب کی آیت جہاں ارشاد ہوتا ہے: يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ.....

(سورۂ احزاب۔ آیت ۵۹)

لیکن مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ فقہا کے درمیان رائج اصطلاح ستر اور ملبوس کی بجائے لفظ پردہ اور پردہ داری کیوں کر آنے لگا ہے۔ شاید یہ بات اس وجہ سے پیش آئی کہ اسلامی پردے کو دوسری اقوام کے پردوں پر قیاس کیا گیا۔ ہم اس موضوع پر آگے چل کر زیادہ وضاحت سے گفتگو کریں گے۔

پردہ کی اصل صورت:

حقیقت امر یہ ہے کہ ستر یا دور حاضر کی اصطلاح میں پردہ کے مسئلہ میں بات یہ نہیں ہے کہ عورت ستر کے ساتھ بھرے مجمع میں آئے یا عریاں؟ بلکہ مقصود یہ ہے کہ کیا مرد عورت سے

پس اصل مسئلہ، جنسی خواہش کو شرعی بیویوں اور گھریلو زندگی تک محدود رکھنے یا جنسی لذت کے حصول کو پورے معاشرے کی حد تک بے قید اور وسیع کر دینے کا ہے۔ تاہم اسلام پہلی روش کا حامی ہے۔

لذت گیری اور اس کی خواہشات کی تکمیل بلا عوض اور عام ہونی چاہئے؟ کیا مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر عورت سے ہر محفل میں باستثنائے زنا زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کرے؟

اسلام کہ جس کی نظر مسائل کی اصلیت پر ہے جواب دیتا ہے: نہیں مرد صرف گھریلو ماحول اور مضبوط عہد و پیمان کے ساتھ ازدواجی قانون کے دائرے میں عورت کو بیوی کی حیثیت سے اپنے تصرف میں لا سکتا ہے لیکن معاشرہ میں کسی نامحرم عورت سے استفادہ قطعاً ممنوع ہے۔ نیز عورت کے لئے بھی یہی پابندی ہے۔

یہ درست ہے کہ مسئلہ کی ظاہری صورت یہ ہے کہ عورت کیا کرے؟ وہ ستر کے ساتھ باہر آئے یا عریاں؟ یعنی جو چیز عنوان مسئلہ قرار پاتی ہے وہ عورت ہے اور کبھی کبھی اس مسئلہ کو بڑے ہمدردانہ انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ کیا محکومیت' اسیری اور پردہ نشینی سے بہتر نہیں ہے کہ عورت آزاد فضا میں سانس لے؟ لیکن باطن میں کچھ اور بات ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد کو عورت سے بیوی کے علاوہ، جنسی استفادہ میں مطلق آزادی ہونی چاہئے یعنی اس مسئلہ میں جو فائدہ مرد کو پہنچ رہا ہے وہ عورت کو نہیں۔ بقول ویل ڈورینٹ:

"اونچے دامن کے کرتے سوائے درزیوں کے تمام دنیا کے لئے ایک نعمت ہیں۔"

پس' اصل مسئلہ' جنسی خواہش کو شرعی بیویوں اور گھریلو زندگی تک محدود رکھنے یا جنسی لذت کے حصول کو پورے معاشرے کی حد تک بے قید اور وسیع کر دینے کا ہے۔ تاہم اسلام پہلی روش کا حامی ہے۔

اسلام کے نقطہ نظر سے گھر بسانے اور رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے عمل میں جنسی لذت کے حصول کی محدودیت باعتبار نفسیات ایک صاف ستھرے ماحول کو پیش کرتی ہے' باعتبار خاندان، خاندان کے افراد کے تعلقات میں استحکام اور بیوی میں مکمل ہم آہنگی پیدا کرتی ہے' باعتبار معاشرہ لوگوں کی کارکردگی کی اہلیت اور توانائی کا تحفظ کرتی ہے اور مرد کے مقابل عورت کی حیثیت اور اس کی منزلت کو بڑھاتی ہے۔

اسلامی پردے کا فلسفہ ہماری نظر میں چند نکات میں منحصر ہے جن میں سے کچھ نفسیاتی پہلو کے حامل ہیں کچھ گھر اور کنبہ سے متعلق ہیں' کچھ سماجی امور سے وابستہ ہیں اور کچھ عورت کی سربلندی اور احترام میں اضافہ سے مربوط ہیں۔

اسلام میں پردے کا مسئلہ مکمل اور محکم اصولوں پر استوار ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ تمام جنسی لذتیں خواہ ان کا تعلق دیکھنے سے ہو یا چھونے سے' سب گھریلو ماحول اور ازدواجی قانون کے دائرہ میں منحصر رہیں اور بیرونی فضا صرف کام کاج کے لئے ہو۔ عصر حاضر میں اس مغربی اسلوب کے برخلاف کہ جہاں کام کاج کو شہوت سے ملا دیا گیا ہے' اسلام چاہتا ہے کہ ان دونوں فضاؤں کو ایک دوسری سے جدا کرکے رکھا جائے۔

اب ہم اوپر بیان کئے ہوئے چار امور کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ سکون نفس:

مرد و زن کے درمیان پردہ کا نہ ہونا اور ان کی بے لگام آزادی نفسانی خواہشات و ہیجانات میں اضافے کا باعث ہوتی ہے اور سیکس کے تقاضے کو ایک نفسانی پیاس اور کبھی پوری نہ ہونے والی تمنا کی صورت بخشتی ہے۔ خواہشات نفس' طاقتور' عمیق اور سمندر صفت غریزہ ہیں کہ جن کی جتنی فرمانبرداری کی جائے اتنی ہی سرکش ہو جاتی ہیں' بالکل آگ کی طرح کہ اسے جتنی خوراک دی جائے اس کا شعلہ اتنا ہی بلند ہوتا جائے گا۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ہمیں دو چیزوں پر توجہ رکھنی چاہئے:

۱۔ تاریخ جس طرح دولت کے پجاریوں کا تذکرہ کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ وہ کس طرح حرص و طمع کے ساتھ مال و دولت سمیٹنے کے درپے تھے' وہ جتنا مال جمع کرتے تھے' ان کی حرص

> آخر مغربی دنیا میں نفسیاتی بیماریوں کی اتنی بہتات کیوں ہے؟ اس کا سبب یہی جنسی آزادی اور سیکس کی وہ ترغیبات ہیں جو انہیں اخباروں' رسالوں' سنیماؤں' تھیٹروں اور سرکاری و غیر سرکاری تقریبات' یہاں تک کہ سڑکوں اور گلیوں میں بھی ملتی ہیں۔

میں اتنا ہی اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ اسی طرح جنسی مسائل میں حریص افراد بھی اس کے موضوع گفتگو سے خارج نہیں ہیں۔ اس قسم کے افراد مہ جبینوں کے تصرف و تملک میں کسی ایک حد پر آکر نہیں رکے اور حرم سراؤں کے مالکوں بلکہ ہر صاحب استطاعت شخص کا یہی وطیرہ رہا ہے۔

"ایران ساسانیوں کے دور میں" نامی کتاب کے مصنف "کرائسٹ سن" اپنی کتاب کے نویں باب میں لکھتے ہیں:

"خسرو پرویز کے حرم میں تین ہزار پری زادیوں کی موجودگی کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اس شہریار کو سیری نہیں ہوتی تھی۔ بیوہ عورتیں' صاحب اولاد خواتین اور حسین دوشیزائیں جہاں کہیں بھی اسے دکھائی دے جاتیں' وہ انہیں اپنے حرم میں شامل کر لیتا اور جب اس کا دل ان سے بھر جاتا تو وہ اپنے گورنروں کو اپنی پسند کی عورت کے حصول کے لئے فرمائش کرتا' چنانچہ جب انہیں ویسی عورت مل جاتی تو وہ اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے تھے۔"

اس طرح کے واقعات ہمیں قدیم تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں۔ دور حاضر میں ان حرم سراؤں کی صورت بدل گئی ہے' اس فرق کے ساتھ کہ اب یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی خسرو پرویز اور ہارون الرشید جیسے اختیارات کا حامل ہو۔ اس دور میں فرنگی تجدد کی برکت سے خسرو پرویز وہارون الرشید کے اختیارات کا لاکھواں حصہ رکھنے والا شخص بھی عورتوں سے انہی کے برابر خوشنودی حاصل کر سکتا ہے:

۲۔ کبھی آپ نے سوچا ہے کہ انسان میں حسن "تغزل" کیسی حس ہے۔ عالمی ادبیات کا ایک حصہ عشق و غزل سے عبارت ہے۔ ادبیات کے اس حصہ میں مرد اپنے محبوب و معشوق کی مدح سرائی کرتا ہے۔ اس کے آگے سرنیاز خم کرتا ہے' اسے بڑا اور خود کو چھوٹا ظاہر کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس کی معمولی سی عنایت کا نیاز مند قرار دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا معشوق سیکڑوں ہستیوں کو اپنی اک نگاہ ناز سے خرید سکتا ہے۔ پس کیا سبب ہے کہ مرد عجز و نیاز کرتا ہے اور اس کے فراق میں دردمندانہ انداز سے فریاد کرتا ہے۔

یہ سب کچھ کیا ہے۔ آخر کیوں انسان اپنی تمام ضرورتوں کے بارے میں ایسا نہیں کرتا۔ آج تک کبھی آپ نے ایسا دیکھا ہے کہ ڈالر کا ایک پرستار ڈالر کے لئے اور ایک جاہ پسند اپنے مقام و منصب کے لئے "غزل سرائی" کرے؟ کیا اب تک کسی نے روٹی کے لئے غزل سرائی کی ہے؟ کیوں ہر انسان دوسرے کے اشعار و غزل کو پسند کرتا ہے؟ ایسا کیوں ہے کہ سب لوگ دیوان حافظ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کیا اس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور بھی ہے کہ ہر شخص اسے ایک ایسے عمیق فطری میلان یا غریزہ پر منطبق دیکھتا ہے جو اس کے پورے وجود پر چھایا ہوا ہے۔ کس قدر غلطی پر ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ صرف اقتصادی لوگوں کی بھاگ دوڑ اور فعالیت کا تنہا بنیادی سبب ہے۔

انسان نے جس طرح روحانی امور کے لئے مخصوص موسیقی مرتب کی ہے اسی طرح اپنے جنسی میلانات کے لئے بھی ایک خاص قسم کی موسیقی ترتیب دے رکھی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ روٹی اور پانی جیسی ناگزیر مادی ضروریات کے لئے اس کے پاس کوئی موسیقی نہیں ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تمام عشقیات کا تعلق جنس سے ہے اور میرا یہ بھی مقصد نہیں ہے کہ حافظ، سعدی اور تمام غزل گو شعراء نے محض جنسی میلان کی زبان سے گفتگو کی ہے۔ ان کی متذکرہ محبت کا انداز کچھ اور ہے، جس پر الگ سے گفتگو کی ضرورت ہے۔

لیکن امر مسلّم یہ ہے کہ اکثر اظہار عشق اور بیشتر غزلیں وہ ہیں جنہیں مرد نے عورت ہی کے لئے مخصوص کیا ہے۔ ہمارے لئے یہ جاننا ہی کافی ہے کہ عورت کی جانب مرد کا میلان، روٹی اور پانی کی طرف رغبت کی طرح نہیں ہے "کیونکہ جہاں پیٹ بھرنے سے انسان قانع اور مطمئن ہو جاتا ہے، اس کے برعکس عورت کے باب میں یہ توجہ حرص و ہوس اور تنوع پسندی کی صورت اختیار کرتی ہے یا عاشقی

و غزل سرائی میں بدل جاتی ہے۔

بہر حال اسلام نے اس پُر جوش جبلت کی حیرت ناک توانائی پر پوری توجہ دی ہے۔ چنانچہ فتنہ نگاہ، عورت سے خلوت کے خطرے اور اس پُر خطر جذبے کے بارے میں کہ جو مرد اور عورت کو باہم ملا دیتا ہے، بہت سی روایات موجود ہیں۔

اسلام نے اس فطری جذبے کو قابو میں لانے اور اس میں توازن پیدا کرنے کی طرف توجہ دی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں نگاہ کرنے اور دیکھنے کی بابت مرد و زن، دونوں پر ایک مشترکہ فرض عائد کیا ہے:

"قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ......"

"وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ......"

(سورہ نور۔ آیات ۳۰-۳۱)

اس دستور کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت اور مرد ایک دوسرے پر نظر نہ کریں۔ آپس میں ہوسناک نگاہوں کا تبادلہ عمل میں نہ لائیں اور لذت اندوزی کے قصد سے آنکھیں چار نہ کریں۔ عورتوں کے لئے ایک خاص فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے بدن کو بیگانہ مردوں سے چھپائے رکھیں اور معاشرہ میں جلوہ نمائی اور دلربائی سے احتراز کریں۔ کسی طرح کسی صورت اور کسی بھی بہانے سے ایسا عمل بجا نہ لائیں جو غیر مردوں کی توجہ اور تحریک کا باعث ہو۔

نفس انسانی بڑی حد تک اثر پذیر ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ اس کی تحریک پذیری ایک خاص حد تک محدود ہے اور اس کے بعد آگے نہیں بڑھتی۔

بلا تمیز مرد و زن، انسان جس طرح دولت، حصول منصب اور مقام عزو وقار سے سیر نہیں ہوتا اسی طرح جنسی معاملات میں بھی اسے سیری نہیں ہوتی۔ کوئی مرد حسین چہروں کی دید اور کوئی عورت مردوں کو متوجہ کرنے اور ان کے دلوں پر قبضہ جمانے کی خواہش سے اور بالآخر کوئی دل ہوس سے سیر نہیں ہوتا۔

پھر یہ لامحدود خواہش کسی صورت میں

پوری ہونے والی نہیں۔ وہ ایک طرح کے احساس محرومیت سے دوچار رہتی ہے اور آرزوؤں میں ناکامی بجائے خود باطنی نقائص اور نفسیاتی بیماریوں کی آماجگاہ ہے۔

آخر مغربی دنیا میں نفسیاتی بیماریوں کی اتنی بہتات کیوں ہے؟ اس کا سبب یہی جنسی آزادی اور سیکس کی وہ ترغیبات ہیں جو انہیں اخباروں، رسالوں، سینماؤں، تھیٹروں اور سرکاری وغیر سرکاری تقریبات، یہاں تک کہ سڑکوں اور گلیوں میں بھی ملتی ہیں۔

لیکن اسلام میں خصوصی طور پر عورتوں کے لئے ستر یا پردے کا حکم اس لئے آیا ہے کہ ان میں خود نمائی اور خود آرائی کی خواہش شدت سے پائی جاتی ہے۔ قلب وذہن پر تصرف کے اعتبار سے مرد شکار ہے اور عورت شکاری۔ جبکہ جسم و جان پر تصرف کے اعتبار سے عورت شکار ہے اور مرد شکاری۔ بناؤ سنگھار اور خود آرائی پر عورت کی دائمی توجہ اس کے اسی شکاریانہ طرز احساس کا مظہر ہے۔ دنیا کے کسی حصہ میں یہ بات دیکھنے میں نہیں آتی کہ مرد بدن کی جھلک دکھانے والا لباس زیب تن کرے اور ہیجانات کو برانگیختہ کرنے والے سنگھار سے اپنے آپ کو زینت بخشے۔ یہ عورت کا عمل ہے کہ وہ اپنے فطری میلان کے تحت دلربائی کے انداز اختیار کرے اور مردوں کو اپنی محبت کا اسیر بنائے۔ چونکہ حد سے بڑھا ہوا بناؤ سنگھار اور نیم برہنگی کی کیفیت عورت کے انحراف اور کجروی کی علامت ہے۔ اس لئے پردے کا حکم بھی اسی کے لئے صادر ہوا ہے۔

جنسی جہالت کی طوفان خیزیوں اور برٹرینڈرسل جیسے افراد کے دعووں کے برعکس یہ بات مسلم کہ جنسی جذبہ کو آزاد چھوڑ دینے اور جذبات کو ابھارنے کے وسائل کی فراہمی سے یہ جذبہ ہرگز سیر نہیں ہوتا۔ مردوں کی نظربازی اور عورتوں میں بناؤ سنگھار کے میلان کے بارے میں ہم دیگر موقع پر گفتگو کریں گے۔

۲۔ خاندانی روابط میں استحکام

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہر چیز جو خاندانی روابط میں استحکام کا باعث ہو، میاں بیوی کے درمیان خلوص پیدا کرنے اور گھریلو ماحول کے لئے مفید ہو، اس کو عمل میں لانے کے لئے تمام ترکوششوں کو بروئے کار لایا جانا چاہئے۔ اس کے برعکس ہر وہ چیز جو زوجہ و شوہر کے روابط میں کمزوری اور سرد مہری کا باعث ہو، وہ گھریلو زندگی کے لئے باعث ضرر ہے لہذا نابود کر دینا چاہئے۔

ازدواجی زندگی کے دائرہ اور گھریلو فضا میں جنسی لذت اندوزی کا اختصاص، میاں بیوی کے رشتہ کو استحکام بخشتا ہے اور انہیں ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے۔

ستر پوشی کا فلسفہ اور غیر عورت سے جنسی تعلقات کی ممانعت کا سبب گھریلو ماحول کے نقطہ نظر سے یہ ہے کہ صرف انسان کی قانونی بیوی نفسیات کے اعتبار سے مرد کو خوشنودی عطا کرنے کا ذریعہ ہو، جبکہ جنسی آزادی کے ماحول میں نفسیاتی اعتبار سے قانونی بیوی ایک رقیب، رکاوٹ اور مرد پر داروغہ سمجھی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں گھریلو ماحول میں دشمنی اور نفرت کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔

آج کل نوجوانوں کا مختلف بہانوں کے ذریعے شادی سے انکار کا سبب بھی یہی بات ہے، حالانکہ پچھلے وقتوں میں شادی کا شمار نوجوان نسل کی دلی تمناؤں میں ہوتا تھا اور جب تک مغربی تہذیب نے عورتوں کو ایک بازاری جنس نہیں بنایا تھا، شب زفاف کو تخت شاہی سے کم نہیں سمجھتے تھے۔

گزشتہ ایام میں شادی طویل انتظار اور بڑی تمناؤں کے بعد انجام پذیر ہوتی تھی اور اسی لئے میاں بیوی ایک دوسرے کو اپنے لئے باعث سعادت و نیک بختی سمجھتے تھے لیکن آج ازدواج کے دائرے سے ہٹ کر جنسی لذت اندوزی کو اتنا فروغ حاصل ہے کہ اب شادی میں کوئی لذت باقی نہیں رہی ہے۔

لڑکے اور لڑکیوں کے آزادانہ میل جول نے شادی کو ایک ایسی صورت دے دی ہے

کہ اب اسے اخلاقی پند و نصائح یا جیسا کہ بعض اخبارات مشورہ دیتے ہیں 'زور اور زبردستی سے نوجوانوں پر مسلط کیا جائے۔

جنسی روابط کو گھریلو ماحول اور قانونی ازدواج کے دائرہ میں محدود کرنے والے معاشرے اور مردوزن کے بے روک ٹوک میل جول کے حامی آزاد خیال معاشرے میں فرق یہ ہے کہ پہلے معاشرے میں شادی کرنے سے انتظار و محرومیت کا اختتام اور دوسرے معاشرے میں محرومیت اور پابندی کا آغاز ہوتا ہے۔ جنسی آزادی کے ماحول میں شادی کا بندھن لڑکے اور لڑکی کی آزادی کے دور کا خاتمہ کردیتا ہے اور ان میں اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وفادار بن کر رہیں۔ درآنحالیکہ اسلامی معاشرے میں شادی ان کی محرومیت اور انتظار کو ختم کردیتی ہے اور ان کے لئے پیغام مسرت لاتی ہے۔

آزاد تعلقات کا طریقہ اوّل تو نوجوان نسل کو جہاں تک ہوسکے شادی اور خانہ آبادی سے روکتا ہے اور انہیں صرف اسی وقت اس اقدام کی طرف راغب کرتا ہے جب جوانی کا ولولہ اور نشاط 'ضعف اور سستی میں بدلنے لگتا ہے۔ ایسے موقع پر وہ عورت سے صرف اولاد کے متمنی ہوتے ہیں یا پھر اسے اپنی خدمت اور کام کاج کے لئے چاہتے ہیں۔ یہ طرز عمل ازدواجی بندھن کو کمزور کردیتا ہے اور بجائے اس کے کہ ایک گہرا نہ عمیق محبت اور سچی چاہت کی بنیاد پر وجود میں آئے اور مردوزن باہم ایک دوسرے کو اپنی سعادت کا سبب سمجھیں 'اس کے برعکس ان میں رقیبانہ انداز فکر پیدا ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کو اپنی سلب آزادی کا سبب سمجھنے لگتے ہیں۔ آج کل کے خاص الفاظ میں وہ ایک دوسرے کو جیلر کہنے لگتے ہیں۔

جب کوئی لڑکا یا لڑکی یہ کہے کہ اس نے شادی کرلی ہے تو وہ کہتی ہے کہ اس نے اپنے لئے جیلر ڈھونڈ لیا ہے۔ یہ تعبیر کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ وہ شادی سے پہلے آزاد تھی 'جہاں چاہے جاسکتی تھی 'جس کے ساتھ چاہے رقص کرسکتی تھی اور اسے کوئی کچھ کہنے والا نہیں تھا لیکن شادی کے بعد اب ان آزادیوں پر پابندی لگ گئی ہے۔ اگر ایک رات دیر سے گھر پہنچی تو شوہر باز پرس کرے گا کہ کہاں گئی تھی۔ اسی طرح مرد اگر کسی محفل میں بڑے جوش و خروش سے کسی عورت کے ساتھ محو رقص ہو تو اس کی بیوی اس پر معترض ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں گھریلو رابطہ کس قدر سرد اور ناقابل اطمینان ہوگا۔

برٹرینڈ رسل جیسے بعض افراد کا خیال ہے کہ آزادیوں پر پابندی کا مقصد فقط مرد کا اپنی نسل کے لئے اطمینان قلب کا حصول ہے۔ اس مشکل کو آسان کرنے کے لئے مانع حمل ادویات تیار کی گئی ہیں 'جن کی بدولت عورت نسل پر اختیار رکھتی ہے لیکن یہاں مسئلہ صرف پاکی نسل کا ہی نہیں بلکہ ایک اور مسئلہ زوجین کے درمیان سچے اور پاک جذبات کا وجود اور ان میں مکمل اتحاد ویگانگت کی فضا کا قیام بھی ہے۔ یہ بات اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب زوجین غیروں اور نامحرموں سے پرہیز کریں۔ مرد کسی دوسری عورت پر نظر نہ رکھے اور عورت بھی ہمیشہ شوہر کے علاوہ کسی اور کی توجہات کو اپنی طرف مبذول کرنے کی دُھن میں نہ رہے۔ علاوہ ازیں ہر قسم کے جنسی تعلقات سے صرف نظر کیا جائے حتیٰ کہ شادی سے قبل کے مرحلہ میں بھی اس کا خیال رکھا جائے۔

علاوہ اس کے وہ شوہر دار عورت جو اس حد تک "ترقی یافتہ" ہو کہ رسل جیسے افراد کی پیروی میں "جدید جنسی اخلاق" پر عمل پیرا ہو اور اپنی محبت کا مرکز کسی غیر مرد کو بنائے اور رنگ رلیاں مناتی رہے تو کیا بھروسہ ہے کہ وہ مانع حمل دواؤں سے اپنے ناپسندیدہ قانونی شوہر سے قرار پانے والے حمل کو ضائع نہیں کرے گی اور اس کے بجائے اپنے محبوب کے نطفے سے پیدا ہونے والے فرزند کو قانونی شوہر سے نسبت نہ دے گی۔ یقیناً ایسی عورت یہی چاہے گی کہ اس کا بچہ اس کے پسندیدہ مرد سے ہو اور اس شخص کی نشانی نہ ہو وہ جو صرف قانونی حیثیت سے اس کا شوہر ہے۔ اسی طرح مرد بھی فطرتاً ایسی عورت سے صاحب اولاد ہونا چاہتا ہے، جسے وہ قلب کی گہرائیوں سے چاہتا ہو نہ کہ اس عورت سے جو زور قانون سے اس کے ساتھ وابستہ کی گئی ہو۔ یورپ کی دنیا نے عملاً یہ دکھادیا ہے کہ احتیاطی تدابیر اور حمل زائل کرنے والے وسائل کی بہتات کے باوجود ناجائز بچوں کی تعداد وحشتناک حد تک بڑھ گئی ہے۔

(باقی آئندہ)

گذشتہ سے پیوستہ (قسط ۲)

ایران میں مساجد کی تعمیر کا ارتقاء

آغاز اسلام کے ابتدائی سال میں جو تعمیرات ہوئیں اگرچہ ان کے نشانات اب کم ہی بچے ہیں مگر ان میں سے چند ہی عمارات ایسی ہیں جن کے آثار ابھی تک باقی ہیں۔ اس کے برعکس وہ عمارات جو ساسانی اور سلجوقی دور میں تعمیر کی گئیں، ان میں سے اب بھی بہت سی موجود ہیں۔

ان ادوار کی عمارات کے مشاہدہ سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں کوئی نمایاں فرق موجود نہیں البتہ اسلام کی آمد کے بعد اس میں ضرورتاً بعض حصوں کا اضافہ کیا گیا۔ اسی بنا پر ہمیں چاہئے کہ ان عمارات کو اسی چشم تصور سے دیکھیں جن ادوار سے یہ متعلق ہیں۔ چنانچہ غور کرنے پر ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ساسانی دور کی عمارات کے ارتقاء اور ان کی توسیع کا ہی نتیجہ تھا کہ یہ عمارات بعض اضافات کے ساتھ اسلامی تمدن کے تحت اثر سلجوقی دور میں مساجد کی شکل اختیار کر کے نمودار ہوئیں۔

مجموعی طور پر ایران کی مساجد کو دو دستوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے دستے میں وہ مساجد شامل ہیں جن کا نقشہ طرح اندازی صدر اسلام کی مساجد کے مشابہ ہے اور ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ اس دستے کی مساجد کے جو نمونے اس وقت موجود ہیں ان میں یزد کی مسجد اور شہر دامغان کی "فہرج" و "تاریخانہ" قابل ذکر ہیں۔

دوسرے دستے کی عمارات خالص ایرانی طرز تعمیر پر مشتمل ہیں۔

دستہ اوّل کے زمرے میں جو عمارات آتی ہیں، ان میں بھی ایرانی فن تعمیر کی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے، ان کی تقلید کی گئی ہے۔ چنانچہ ان مساجد میں جو محرابیں بنائی گئی ہیں وہ بیضوی شکل کی ہیں اور یہ وہی قدیم ایرانی طرز تعمیر ہے جس کے نمونے آشور میں پائے گئے 'اشکانی بادشاہوں کے محلات سے لے کر فیروز آباد میں واقع ساسانی خاندان کے شاہی ایوانوں اور طاق کسریٰ (شہر مداین کے خرابات میں "نوشیرواں عادل" کے دالان بارگاہ کی محراب) تک میں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اس طرز تعمیر کی مثال ہمیں ان مساجد میں کہیں نظر نہیں آتی جن میں عربی اسلوب فن کاری کو بروئے کار لایا گیا ہے۔

تقریباً پانچویں صدی ہجری کے دوران، ایران میں مساجد کی طرز تعمیر میں تبدیلی واقع ہونی شروع ہوئی' چنانچہ اس تاریخی دور میں ایسی مساجد عام طور پر تعمیر کی گئیں جو مربع بنیاد پر محراب دار برجوں 'دوہرے اور چاردرے، دالان در دالان یا صرف ابھرے دالانوں اور محراب دار چارستونی بروج سے ترکیب شدہ نقشے پر قائم تھیں۔

مساجد کے جن نمونوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کی خصوصیات کا یہاں ہم ذکر کریں گے:

الف: شبستانی مساجد

مسجد فہرج کا شمار ان مساجد میں ہوتا ہے جن کی تعمیر پہلی صدی ہجری میں کی گئی تھی۔ یہ مسجد قبلے کی جانب صدر دالان 'مرکزی صحن 'دالان دار برآمدے اور ان چبوتروں پر مشتمل ہے جو صحن کے اطراف میں بنائے گئے ہیں۔ صدر دالان کی پوشش میں قرینہ وہم آہنگی

کا خاص خیال رکھا گیا ہے' اس کی محرابیں بیضوی شکل کی ہیں اور قبلہ کی جانب درمیانی محراب دیگر جوابی محرابوں کے مقابلے نسبتاً اونچی رکھی گئی ہے۔ مسجد کا فرش ستے اور سنگریزوں کو کوٹ کر بنایا گیا ہے اور جس پر بعد میں سفید چونے کی آستر کاری کر دی گئی ہے۔

اس دور کی قابل ذکر مسجد شہر دامغان میں واقع تاریخانہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا صدر دالان مستطیل ہے اور مرکز میں مربع صحن جس کے اطراف میں دالان دار برآمدہ ہے اس کی محرابیں کمانی شکل کی ہیں۔ برآمدے کی محرابیں اس کی پشت پر بنی عمودی دیوار سے چسپاں ہیں۔ اس کی تمام محرابیں بیضوی اور کچھ حد تک رکاب کی شکل کی ہیں، اس کے ستون نیز وہ تمام پائے جن پر پوری عمارت کا انحصار ہے خشتی ہیں۔ ان کے

علاوہ پوری عمارت کے دیگر حصوں میں بھی پختہ خشت کا ہی استعمال کیا گیا ہے۔

بہر صورت یہ مساجد ایک طرف تو ان دالان دار مساجد کی میراث ہیں جو صدر اسلام میں بنائی گئی تھیں اور دوسری طرف ان میں وہ

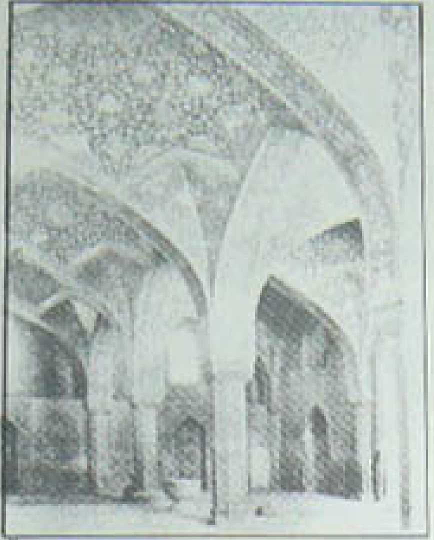

ناقابل انکار شباہت موجود ہے جو اسلام سے قبل ایران میں تعمیر کردہ بعض شاہی محلات (بالخصوص شاہان خاندان ہخامنشی) میں پائی جاتی ہے' ان میں سے بیشتر عمارات چہل ستون یا صد ستون وغیرہ جیسے ناموں سے مشہور ہیں اور ایران میں ان کے جگہ جگہ آثار ملتے ہیں۔

ب: چار محرابی مساجد

ایسی عمارت کو جس کی مربع بنیادی سطح پر، اس کے چاروں ستون، محرابوں کے ذریعے ایک دوسرے سے اس طرح متصل ہوں کہ اوپر دائرے کی شکل اختیار کر لیں اور اس پر گنبد بنا دیا جائے، چار محرابی (برج) کہتے ہیں۔ عام طور پر اس کے چشموں کو بند نہیں کیا جاتا تھا۔ اسلام سے قبل عام طور پر ہر آتشگاہ و آتشکدہ کی تعمیر اسی ساخت پر کی جاتی تھی۔ اسلام کی آمد کے بعد، ان میں سے بعض عمارات پائدار ہونے کی وجہ سے چونکہ قائم رہ گئی تھیں، اس لئے مقامی لوگوں نے انہیں عبادت کے لئے مناسب سمجھا۔ چونکہ اس مقصد کے لئے انہیں استعمال کرنے کی غرض سے سب سے پہلے جانب قبلہ چشمے کو تیغہ لگا کر بند کیا گیا اور اس میں محراب بھی نصب کر دی گئی۔ اگر دائیں اور بائیں جانب کے چشموں کو باہر کی جانب کسی عمارت سے متصل کرنا مقصود نہ ہوتا تو ان کی بھی تیغہ بندی کر دی جاتی اور صرف اسی چشمے کو کھلا رکھا جاتا جو محراب قبلہ کے سامنے ہوتا۔ بعض سرد مقامات پر اس کی کشادگی کو کم بھی کر دیا جاتا۔

چار محرابی مساجد میں قدیم ترین "یزد خواست" نامی مسجد ہے۔ اس کے تین چشموں کی تیغہ بندی کے علاوہ باہر کی جانب (مقابل قبلہ) دالان کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے' اس مسجد کی عمارت کے متعلق بعض ماہرین فن کی یہ رائے ہے کہ یہ آغاز اسلام کے ابتدائی دور میں یا ساسانی عہد حکومت میں تعمیر کی گئی ہو گی۔

ج: دالان دار مساجد

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مشرقی ایران اور صوبہ خراسان کے گرد و نواح میں دالان کی ابتدا چہار گوشہ حجرے سے ہوئی۔ اشکانی خاندان کے عہد حکومت میں نیم بیضوی گنبد سے دالانوں کی پوشش 'محلات شاہی کی عمارات کا اہم عنصر شمار کی جاتی تھی۔ لیکن ستونوں پر قائم دالان فن تعمیر کے ان عناصر میں شامل ہے جس کے نشانات ایران کے مغرب و شمال میں واقع رہائشی مکانات میں بھی نظر آتے ہیں۔ وہ دالان جن کے در جنوب کی جانب کھلتے تھے گرمی کے موسم میں اور جن کا رخ شمال کی طرف ہوتا تھا وہ سردی کے زمانے میں اس لئے استعمال کئے جاتے تھے کہ دھوپ اچھی طرح اندر آ سکے۔

خراسان میں کچھ غیر آباد چھوٹی مساجد کے ایسے آثار دریافت ہوئے ہیں جو صرف دالان اور محراب پر مشتمل تھیں۔ ان میں قبلہ رخ محراب کے سامنے صحن بھی ہوتا تھا جس کے گرد نیچی چار دیواری بھی بناوی جاتی تھی۔ ایسی چھوٹی مساجد عرض میں تقریباً تین گز بنائی جاتی تھیں اور اندر کی جانب تقریباً چھ گز گہری ہوتی تھی۔ چنانچہ تاریخی حقائق کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں اس سے زیادہ وسیع مساجد کی ضرورت بھی نہ تھی البتہ بعد کے ادوار میں ان میں وسعت پیدا کی گئی۔

بہر صورت مغربی ایران کے برعکس جہاں گنبد سے ہی مسجد کی اہمیت مشخص ہوتی تھی خراسان اور اس کے گردونواح میں شاندار و پُر شکوہ دالانوں سے ہی مسجدوں' بزرگان دین کے آستانوں اور عیدگاہوں وغیرہ کی شناخت کی جاتی تھی۔

د: چار دالانی مساجد اور وسیع مسجدیں

سلجوقی خاندان کے عہد حکومت میں مذہبی عمارات اور پلوں کی تعمیر کی جانب خاص توجہ دی گئی اور اس وجہ سے مساجد کی طرز ساخت میں بھی ارتقائی تبدیلی واقع ہوئی۔ چنانچہ جو اطلاعات ان کے بارے میں موجود ہیں ان کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ وہ طرز تعمیر جو چار دالانی کے نام سے مشہور ہے مساجد کی ساخت میں ہی تکمیل پذیر ہوئی۔

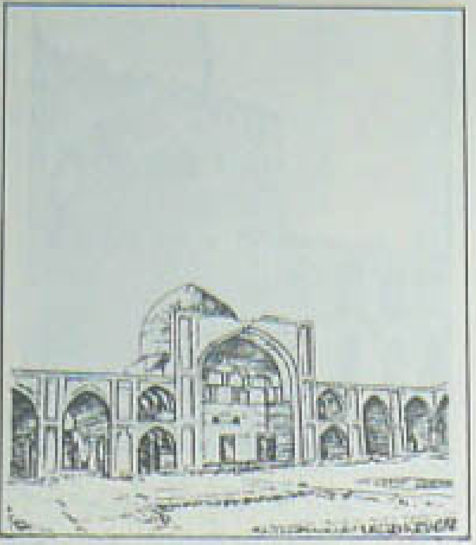

احتمال یہ ہے کہ وہ مساجد جن کی طرز میں تبدیلی واقع ہوئی، ان میں سب سے پہلے مسجد جامع اصفہان تھی جس کی تعمیر ۱۵۶ھ میں مکمل ہوئی۔ چنانچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں کئی مرتبہ توسیع کی گئی، جس کے شاہد وہ ستون ہیں جو دیلمی خاندان کے دور حکومت میں تیار کیے گئے تھے۔

مساجد کی طرز تعمیر، اس کی جزئیات نیز آرائش وزیبائش میں مسلسل ارتقائی تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ ایلخانی خاندان کے دور حکومت میں عہد گذشتہ کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے، عمارت مسجد کی بلندی، پیشطان وسردر کی زیبائی اور اس کے دیگر عناصر میں فن لطافت کی جانب خاص توجہ دی گئی۔ اس خاندان کے دور حکومت میں گذشتہ ادوار کے مقابلے دالان نسبتاً کم چوڑے مگر اونچے بنائے گئے۔ مسجد کی عمارت زیادہ بلند بنانے کی غرض سے گنبدوں میں عمودی دھاریاں بنائی جاتی تھیں۔ چنانچہ یہ ارتقائی تبدیلی صفوی خاندان کے دور حکومت تک جاری رہی۔ اس خاندان کے عہد میں بہت سی عمارات، جن میں مساجد بھی شامل ہیں، چار دالانی طرز تعمیر پر بنائی گئیں۔

مجموعی طور پر چار دالانی طرز تعمیر مرکزی صحن' چار دالانی عمارت' وسطی گنبد خانہ' صدر دالان اور دیگر ملحقات پر مشتمل ہوتی تھی۔ اور یہی وہ طرز تعمیر تھی جسے مساجد کی ساخت میں پُر شکوہ ترین طرز تصور کیا جاتا تھا' اس طرز تعمیر کو نہ صرف مساجد بلکہ مدارس اور کاروانسرا جیسی عمارات میں بھی استعمال کیا گیا۔ یہ طرز تعمیر دیدہ زیب ہونے کے باعث صرف ایران کی حدود تک ہی محدود نہ رہی بلکہ بعض اسلامی ممالک میں بھی، اسے بعض علمی مدارس کی تعمیر کے لئے پسند کیا گیا چنانچہ اہل سنت کے چاروں فقہی مکاتب میں سے ہر ایک نے ایک دالان کو اپنے مسلک کی تدریس کے لئے مخصوص کرلیا۔

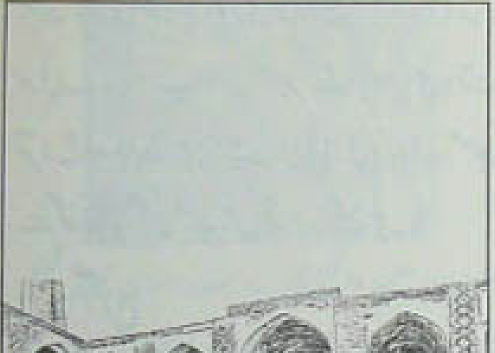

مساجد کے اجزاء وعناصر

الف: صدر دروازہ:

صدر دروازے کا شمار عمارت مسجد کے اصلی عناصر میں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی ساخت

میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے کہ اسے دیکھ کر فوراً ہی مسجد کی شناخت کی جا سکے اور اس میں وہ کشش پیدا کی جائے کہ لوگ اس کی جانب رغبت سے آئیں۔ اس کی مختلف ابعاد میں بلندی کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی۔ تاکہ لوگ وہاں توقف کریں اور مسجد میں داخل ہونے سے قبل، ان مستحب ادعیہ اور آیات قرآنی کی تلاوت کریں جو اس پر کندہ یا تحریر کی گئی تھیں۔ جس کے پس پردہ یہ مقصد کارفرما ہوتا ہے کہ عابد ونماز گزار لوگوں کے دلوں میں مسجد میں داخل ہونے سے قبل ہی پاکیزگی اور صفائی باطنی کے جذبے کو منور کیا جا سکے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ ہر مسجد کی تعمیر میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ اس کی سمتِ پیشانی جانب مکہ ہو۔ چنانچہ قبلہ کی جانب سمت مجموعی طور پر، پوری عمارت مسجد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ آداب داخلۂ مسجد کے احکام اسی وقت شروع ہو جاتے ہیں جیسے ہی نمازی دروازۂ مسجد سے گذر کر صحن مسجد میں قدم رکھتے ہیں۔

ب: صحن

مسجد کی عمارت میں صحن کا شمار اس کے اہم عناصر میں ہوتا ہے۔ دراصل یہی وہ عنصر ہے جو دروازۂ مسجد کو صدر دالان اور گنبد خانہ سے متصل کرتا ہے۔ صحن مسجد عام طور پر مربع یا اس طرح مستطیل شکل کے بنائے جاتے ہیں جو بادی النظر میں مربع معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی وسیع و کشادہ زمین پر متوازی جانب قبلہ عمودی خطوط بھی مرتب کردئے جاتے ہیں تاکہ گرمی کے

موسم میں یہاں نماز باجماعت ادا کی جا سکے۔ صحن کی ترتیب میں سمتِ قبلہ کو خاص اہمیت دی جاتی ہے جو مسجد کی پوری عمارت پر نظر انداز ہوتی ہے۔ اکثر و بیشتر کوشش کی جاتی ہے کہ صحن کے کسی بھی گوشے میں کوئی خم یا کجی نہ رہے۔ اس کے علاوہ صحن کے وسط میں معمولاً حوض بھی بنایا جاتا ہے۔

ج: صدر دالان

یہ باجماعت نماز ادا کرنے کی وہ جگہ ہے جسے عمارت مسجد کے تمام عناصر میں اہم مقام حاصل ہے۔ صدر دالان کا ماحول کئی اعتبار سے قابل ملاحظہ ہے۔ جن میں سب سے زیادہ اہم اس کی وہ اقلیدسی شکل ہے جس کی طرح اندازی دائرے اور مربع سطح پر کی جاتی ہے۔

د: مقصورہ و محراب

عمارت مسجد میں مقصورہ (پیش امام کی خصوصی مصلی گاہ) اور محراب کا اضافہ اموی خاندان کے عہد میں ہوا۔ مقصورہ کے وجود میں آنے کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ کسی نے معاویہ ابن ابی سفیان پر حملہ کرکے زخمی کردیا' موصوف نے اپنی جان کی حفاظت کی غرض سے حکم دیا کہ اطراف محراب کٹہرا اس طرح بنایا جائے کہ کوئی شخص محراب کے نزدیک نہ آسکے۔ بعض مورخین نے مقصورہ کا موجد مروان بن حکم کو قرار دیا ہے۔

جس وقت ولید نے مسجد مدینہ کی تعمیر کے لئے اقدام کیا تو حکم دیا کہ قبلہ کی جانب دیوار کے وسط میں کھانچے کی گنجائش رکھی جائے چونکہ اس کی شکل محراب کلیسا سے مشابہ تھی، اس لئے ابتدا میں بعض حضرات نے اس کی مخالفت کی لیکن کچھ عرصے بعد محراب کی ساخت کا مساجد میں عام رواج ہو گیا۔

عام طور پر مسلمان جانتے ہیں کہ مسجد میں پیش امام کی مصلی گاہ کو محراب کہتے ہیں۔ حالانکہ قبلہ رخ دیوار کے اندر اس کی نیم دائرہ یا نیم شش پہلو شکل کا اہتمام بعد کے ادوار میں کیا گیا۔

پوری عمارت مسجد کی سطح کا ہموار ہونا اس لئے ضروری ہے کہ تمام عبادت گزار پورے اطمینان کے ساتھ نماز باجماعت ادا کریں۔ اگر مصلی گاہ پیش امام اور نمازیوں کی صف میں بلندی کے اعتبار سے فرق، محراب کا نمازیوں کی

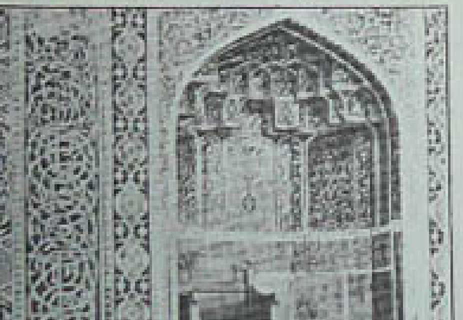

صف سے آگے ہونا اور مصلی گاہ پیش امام کا دالان مسجد کی سطح سے قدرے نیچا بنایا جانا ایسے امور ہیں جن کا تعلق مذہبی و فقہی مسائل سے ہے۔

ھ: منار

عمارت مسجد کے اصل عناصر میں منار (مینار) بھی شامل ہے۔ جس کی مختلف خصوصیات بتائی گئی ہیں۔ منار کی ساخت ستون اور گلدستہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ عام طور پر اس سے "ماذنہ" (گلدستہ اذان) کا کام لیا جاتا ہے (جہاں سے موذن اذان کے ذریعہ لوگوں کو مسجد میں نماز میں شامل ہونے کی دعوت دیتا ہے) در اصل ماذنہ کو آغاز اسلام سے ہی خاص اہمیت دی گئی ہے۔ چنانچہ رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ کے زمانۂ حیات میں ہی موذن بلند ترین چھت پر جاکر اذان دیا کرتے تھے۔ اس خیال کے پیش نظر کہ موذن اونچی جگہ سے اذان دے، مسلمانوں کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ ماذنہ ایسی جگہ بنایا جائے جو عمارت مسجد سے اونچا اور اس سے ہی متصل ہو تاکہ ہمیشہ اسی جگہ سے اذان دی جاسکے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابتدا میں منار بہت سادہ بنائے جاتے تھے مگر بعد میں ان کا بتدریج ارتقا ہوا تو ان میں زینت کاری کا عنصر غالب آنے لگا۔

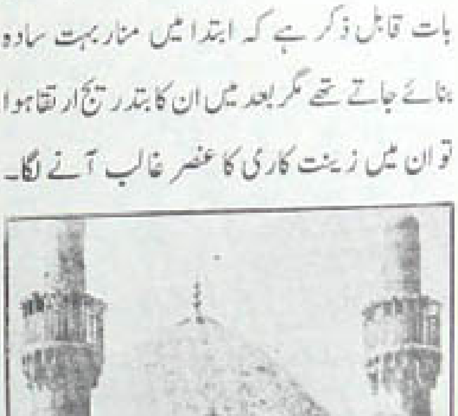

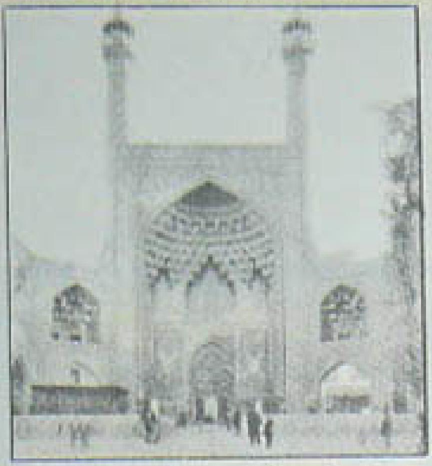

ایران کے شہروں کی روایتی طرح اندازی میں منار کو شہر کی علامت تصور کیا جانے لگا۔

و: منبر

عمارت مسجد کے عناصر میں منبر کا ہونا بھی لازمی ہے اور اس کے بنانے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی تاکہ نماز سے قبل یا بعد اجتماع، نمازیوں کو مختلف دینی 'اجتماعی اور اقتصادی امور سے مطلع کیا جاسکے۔ چونکہ امور کا مسلمانوں کے سامنے واضح و روشن کیا جانا اسلام کے اہم اجتماعی عوامل ہے، اس لئے منبر عمداً محراب کے قریب ہی مصلی گاہ پیش امام کے نزدیک بنایا جاتا ہے تاکہ تمام نمازیوں کی نظر وہاں تک پہنچ سکے جہاں سے اہم ترین فرض اسلام یعنی فریضۂ نماز ادا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان مسائل کا سننا نیز علم حاصل کرنا خود عبادت ہے اور تلاش حق کا بھی ذریعہ بھی ہے۔ چنانچہ پند و وعظ سنتے وقت بھی لوگوں کا رخ جانب قبلہ ہی ہوتا ہے۔

ز: حجرہ

اسلامی افکار میں علم و معرفت کو بالاترین مقام حاصل ہے اور یہ بھی امر مسلمہ ہے کہ اس کی بھی سمت مقرر ہونی چاہئے۔ جس طرح صدر اسلام میں پوری عمارت مسجد کو نماز گزاری کے علاوہ، پیغمبر اکرم، آئمہ معصومینؑ علمائے دین نیز طبقۂ دانشوران، درس و تدریس، تحصیل علم اور کسب دانش کے لئے ہمیشہ استعمال کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اندرون مسجد ہی طلبائے علوم دین نے معرفت و سلوک کی منازل طے کی ہیں اور اسی مقصد کے تحت آج بھی مساجد کے اطراف و جوانب میں حجروں کی تعمیر کی جاتی ہے۔

اندرون مسجد واقع حجرے صدر دالان سے قطعی علٰحدہ بنائے جاتے ہیں اگرچہ اسلام کے ابتدائی عہد میں حجرے اس طرح تعمیر کئے جاتے تھے کہ صدر دالان میں نیز اس کے دو جانب نمازیوں کی سیدھی صف بن سکے مگر بعد کے ادوار میں انہیں صدر دالان سے علٰحدہ کر دیا گیا اور آج بھی عام طور پر اس دستور کی پیروی کی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(گزشتہ سے پیوستہ قسط ۲)

ہندستان میں فارسی ادب

از: پروفیسر سید جعفر رضا

اسی درمیان خان زماں علی خاں صوبہ دار جونپور نے غزالی کی دکن میں ناقدری کا حال سنا اور ایک ہزار روپے اور ایک قطعہ بھیج کر اپنے پاس آنے کی دعوت دی قطعہ یہ ہے: ۱۸

ای غزالی بحق شاہ نجف
کہ سوی بندگان بیچون آی
چونکہ بے قدر گشتہ ای آنجا
سرخود گیر و زود بیرون آی

خان زماں خود بڑا ذی علم اور ماہر فن شعر تھا۔ اس نے اس قطعہ کے آخری مصرعے میں 'سر خود گیر' یعنی 'غزالی کا سر' یعنی غین، یعنی ایک ہزار اعداد سے صفت شعر پیدا کی ہے۔ اس دعوت کو غزالی نے قبول کرلیا اور جونپور کو اپنا مسکن بنایا۔ علی قلی خاں کی فرمائش پر اس نے مثنوی 'نقش بدیع' لکھی جو ایک ہزار اشعار پر مشتمل تھی جس کے ہر شعر پر ایک طلائی سکے کے اعتبار سے ایک ہزار سکے خان زماں نے انعام کے طور پر پیش کیے۔ ۱۹ لیکن خان زماں کی سرپرستی کا یہ دور زیادہ دنوں تک باقی نہ رہ سکا۔ ۱۵۶۶ء میں اکبر نے خفا ہو کر خان زمان کا سر تن سے جدا کرادیا۔ خان زماں کے دوسرے مصاحب اور درباری دربدری کا شکار ہوئے لیکن غزالی، اکبر اعظم کی نگاہوں میں چڑھ گیا اور رفتہ رفتہ دربار اکبری کے مختلف مدارج طے کر کے ملک الشعراء کے عہدے تک پہنچا۔ غزالی سلطنت مغلیہ کا پہلا ملک الشعراء ہوا۔ غزالی نہ صرف یہ کہ سلطنت مغلیہ کا پہلا ملک الشعراء ہوا بلکہ ہندستان میں مسلم مملکت کا پہلا ملک الشعراء ہوا۔ ۲۰ غزالی کی شعری نگارشات میں قصائد' غزلیات، مثنویات، ترکیب بند' ترجیع بند' اور رباعیات شامل ہیں۔ غزالی کی کلیات میں کل ۵۹ قصائد ہیں جن میں حمد و ثنا' نعت' منقبت' تصوف' مدح سلاطین' اور خود اپنی مدح کے مضامین شامل ہیں۔ غزالی کے قصائد غلو' اغراق' تملق اور چاپلوسی کی آلودگی سے پاک ہیں۔ غزالی کی غزلیات کی خصوصیت حمد و نعت ہے۔ اس نے شہنشاہ اکبر کی مدح میں جو غزلیں کہی ہیں وہ اپنے آپ میں کمال فن کا نمونہ ہیں۔ کلیات غزالی میں آٹھ مثنویاں شامل ہیں جن کی اپنی اپنی اہمیت ہے۔ غزالی کے نثری کارناموں میں 'اسرار مکتوم' اور 'دیباچہ' کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ 'اسرار مکتوم' میں غزالی نے تصوف اور معرفت کے مسائل سے بحث کی ہے۔ تقی اوحدی نے لکھا ہے: از منشور آتش' اسرار مکتوم' در شخصیات الحیات و مرات الکائنا تست۔" ۲۱ لیکن اسرار مکتوم کے علاوہ دیگر نگارشات معدوم ہیں۔ اسی طرح کلیات غزالی میں پہلے دیوان 'گنج اکبری' کا ذکر اور اس کے نثری اقتباسات ملتے ہیں لیکن مکمل دیباچہ دستیاب نہیں۔ البتہ دیوان 'آثار شباب' کا طویل دیباچہ دستیاب ہے جس میں غزالی اپنے بارے میں اپنی شاعری اور حالات کو بیان کرتا ہے۔

دربار اکبری کے شعراء میں سرفہرست شیخ ابو الفیض فیضی (م۔ ۱۵۹۵ء) ہے جو عہد اکبری کے مشہور عالم دین اور فلسفی شیخ مبارک ناگوری (م۔ ۱۵۹۳ء) کا بڑا بیٹا اور دربار اکبری کے وزیر اعظم شیخ ابوالفضل (م۔ ۱۶۰۲ء) کا بڑا بھائی تھا۔ حالانکہ اکبر نے فیضی کو ملک الشعراء کا اعزاز ۱۵۸۸ء میں غزالی مشہدی کے بعد عطا کیا اور اس کا منصب محض چار صدی تھا مگر اکبر کے مزاج میں فیضی بے انتہا دخیل تھا۔ وہ بیک وقت ادیب 'شاعر' طبیب ' ہیئت داں' فلسفی' منجم' مہندس' مفسر' محدث' فقیہ' اور شاعری کا ماہر تھا۔ اس کے افکار وعقائد میں آزاد خیالی نمایاں تھی، اس کی طبیعت

حکیمانہ تھی۔ وہ علوم قرآنی کو عقل و دلائل کے معیار پر پرکھتا تھا جس کی بنا پر بعض قدامت پسند علماء اسے پسند نہ کرتے تھے حتیٰ کہ بدایونی نے اسے ملحد قرار دیا تھا۔ ۲۲؎ لیکن فیضی کے معاصر شعراء اس کا بے حد احترام و تکریم کرتے تھے۔ شاہ عباس اول (م۔ ۱۶۲۹ء) کا درباری شاعر علی نقی (۱۶۲۱ء) فیضی کا مداح تھا اور ظہوری ترشیزی (م۔ ۱۶۱۶ء) نے فیضی کی شان میں قصیدہ اور رباعیاں لکھی ہیں۔ فیضی کی تصانیف کی تعداد ۱۰۱ بیان کی جاتی ہے ۲۳؎ جن میں قرآن مجید کی تفسیر 'سواطع الالہام' ایک دینی رسالہ 'موارد الکلم' اور ریاضیات پر مبنی 'لیلاوتی' کا خصوصیت سے ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ادبی اور شعری تصانیف میں خصوصیت سے اس کے دیوان کا ذکر کیا جاسکتا ہے جسے فیضی نے ۱۵۸۸ میں خود مرتب کیا اور اس کے دیوان کے مروجہ نسخے کے مرتب کا نام معلوم نہیں۔ اس میں بارہ ہزار سے زیادہ اشعار ہیں۔ فیضی نے خمسہ نظامی کی طرز پر پانچ مثنویاں لکھنے کا ارادہ کیا تھا جن میں دو مثنویاں 'نل و دمن' اور 'مرکز ادوار' مکمل ہو سکیں۔ تیسری مثنوی 'سلیمان و بلقیس' اور چوتھی 'اکبر نامہ' نامکمل رہیں۔ پانچویں مثنوی 'ہفت کشور' شروع کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ لطیفہ' فیاضی فیضی کے مکتوبات اور نثری تحریروں کا تاریخی نام ہے۔ اس کے علاوہ فیضی نے 'بھگوت گیتا' کا منظوم ترجمہ فارسی میں کیا۔ علاوہ ازیں ہندو راجہ رانی کی مشہور کہانی 'نل و دمینتی' جو سنسکرت میں تھی، سکراچاریہ کی تالیف اور مہابھارت سے ماخوذ ہے۔ اس کا منظوم فارسی ترجمہ کیا۔ کشمیری برہمن سوم دیو کی سنسکرت کی کتاب 'کتھا سرت ساگر' کا فارسی نثر میں ترجمہ کیا۔

ہندستان کے فارسی شعراء میں فیضی کو امیر خسرو کے برابر کا درجہ حاصل ہے۔ فیضی خود بھی امیر خسرو کے قائل تھے لیکن ان کے پہلو بہ پہلو امیر حسن سنجری کے بھی۔

دگر از پیر من نظر جوئی
روح فیضی خسرو حسن است

فیضی کو اپنے ہندستانی ہونے پر خود بھی ناز تھا:

ہندستانیم کہ بکلک طرزدی
افغان ز طوطیان شکر خا بر آورم
گر نظم آبدار فرستم بہ ملک فارس
رود ارس ز خاک مصلیٰ بر آورم

فیضی میں قدیم ہندستانی تہذیبی علامات، فکر و فلسفہ اور زندگی کے مثبت اثرات نظر آتے ہیں۔ ہند آریائی تہذیب کا مخلوط تصور ابھرتا ہے، خصوصاً ہندی نژاد علامات مثلاً دیر' فوس' بت' بت خانہ' سومنات' برہمن' وید' عورت' ستی' سوئمبر' عورت کی مرد پر فریفتگی وغیرہ وغیرہ۔ تحقیق مذہب کے متعلق اس کا نصب العین تھا:

از تجو بت چرا آرم سوی محراب رو
منکہ از یک سنگ دانم کعبہ و بت خانہ را

مختلف اصناف شاعری میں کلام فیضی آسمان کی بلندیاں چھوتا ہے۔ اس کے قصیدوں میں قدما کا رنگ' خاقانی کی طرح علوم کی اصطلاحات اور انوری کی طرح جذبات انسانی کے تاثرات ہیں۔ فیضی نے اکبر اعظم کے علاوہ کسی اور شخص کی مدح میں قصیدہ نہیں لکھا۔ اس کے قصائد میں توحید' نعت' منقبت' فلسفہ' تصوف' تہنیت اور فخر و ادعا کے مضامین ہیں۔ فیضی نے ایک مرثیہ بھی لکھا جو تاثرات سے لبریز ہے۔ فیضی کی مثنویوں کا اعتراف اس کا بدترین دشمن ملا عبد القادر بدایونی بھی کرتا ہے کہ اس کے مدمقابل گزشتہ تین سو برس میں ایسی مثنوی ہند میں امیر خسرو کے بعد شاید ہی کوئی لکھ سکا ہو۔ ۲۴؎ فیضی کی غزلیں نفاست زبان و بیان میں بے مثال ہیں حالانکہ اُن پر شیخ سعدی کے اثرات ہیں۔ سعدی پر حسن و عشق کا غلبہ رہتا ہے لیکن فیضی پر فلسفہ و حکمت کا رنگ غالب رہتا ہے۔

عرفی شیرازی (م ۔ ۱۵۹۱ء) فارسی شاعری کی روایات کے ساتھ ہندستان وارد ہوا تھا۔ لیکن ہندستان آکر یہاں کے فارسی شاعروں میں فیضی' خان خاناں اور ابو الفتح گیلانی سے اتنا متاثر ہوا کہ ہندستان کے شاعر کی حیثیت حاصل کرلی۔ جس کو اہل ایران "شیوۂ فارسی ہندستانی" کہتے ہیں۔ اسے "سبک ہندی" کے ممتاز شعراء میں شمار کیا جاتا ہے۔ ۲۵؎ عرفی سرزمین ہند میں کشمیر جنت نظر کے حسن و جمال سے بے پناہ متاثر تھا، اس کا کہنا تھا:

ہر سوختہ جانیکہ بکشمیر در آید
گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آید

عرفی نے فارسی نثر میں 'رسالہ نفسیہ' لکھا جس کا موضوع تصوف ہے۔ اس کی شعری

تخلیقات میں قصائد، غزلیات، مثنویات، رباعیات اور قطعات وغیرہ ہیں۔ دو مثنویاں 'مجمع الابکار' اور 'فرہاد وشیریں' نظامی گنجوی کی دو مثنویوں 'مخزن الاسرار' اور 'خسرووشیریں' کے جواب میں ہیں۔ عرفی کا نظریہ عشق مولانا روم کا مرہون منت ہے جو اعتماد نفس اور خودی کے مراحل طے کر کے خود شناسی عطا کرتی ہے:

سر روحانیاں داری ولی خود رند بدمستی
بجیب خود در آتا قبلہ روحانیان بینی

کلام عرفی میں ہندستانی معاشرتی وثقافتی عناصر نمایاں ہیں۔ قصیدہ 'بطور چیستان درمدح شمع بزم بادشاہ' میں شمع کو عروسان ہند سے تشبیہ دیتا ہے:

چون عروسان ہند دردم رقص
از خم گیسوش چکد روغن

اسی قصیدہ میں ملکی ماحول کی عکاسی بھی ہے:

چون شکر مشربان ہندوستان
چہرۂ زرتار و چرب پیراہن

اسلامی ہندی افکار کا باہمی امتزاج بھی ہے:

برسر مویش اگر بار شگافی بخرد
سومناتیست کہ چیدہ ست دولات وہبل

ایک مثنوی 'بت انجا عشق است و وحدت' میں ہندی علامت 'سومنات' اور اسلامی علامت 'آتش طور' کا امتزاج ہے:

چراغ سومنات آتش طور
بود و زد شش جہت را نور در نور

نظیری نیشاپوری (م۔ ۱۶۱۴ء) جس کے قصائد میں دور اکبری کی خوبصورت اور رنگین تصویریں ابھرتی ہیں۔ اکبر اعظم کی فیاضی 'رعایہ پروری' درباری شان وشکوہ، فن موسیقی کی رنگینی کے پہلو بہ پہلو مسخروں اور بھانڈوں کی پھلجھڑیاں ہیں۔ اس نے اکبری دور کے جنگی مناظر' تاریخی واقعات' جشن وجلوس' غرض کہ تہذیب وتمدن کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔ خاص طور پر تسخیر دکن کے واقعات' فتح قلعہ انبیر اور انداز جنگ اکبری کے چشم دید واقعات لکھے۔ نظیری کو اکبر کے بعد جہانگیر کا درباری شاعر ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

ہندستان کے فارسی شعراء میں فیضی کو امیر خسرو کے برابر کا درجہ حاصل ہے۔ فیضی خود بھی امیر خسرو کے قائل تھے لیکن ان کے پہلو بہ پہلو امیر حسن سنجری کے بھی۔

ظہوری ترشیزی (م۔ ۱۶۱۶ء) اولاً احمد نگر میں مرتضی نظام (نظام شاہ اول م۔ ۱۵۸۷ء) کے دربار سے وابستہ ہوا جس نے ایران سے دہلی آنے کے بجائے دکن میں سکونت اختیار کی اور ایک اور ممتاز فارسی شاعر ملک قمی (م۔ ۱۶۱۶ء) سے ملاقات ہوئی اور رفتہ رفتہ ملاقات گہری دوستی میں تبدیل ہوگئی۔ ۱۵۹۵ء میں دونوں ایک ساتھ بیجاپور آئے، جہاں ملک قمی نے اپنی بیٹی کی شادی ظہوری سے کردی جس سے دوستی قرابت داری میں تبدیل ہوگئی۔ دونوں میں مکمل اتحاد رہا۔ دونوں نے مشترکہ طور پر اپنے کلام کے مجموعے تیار کئے۔ نظامی کی مثنوی 'مخزن اسرار' کے جواب میں مثنویاں لکھیں جو اب نایاب ہیں۔ اس کی موجودگی میں مرتضی نظام شاہ اول کے بعد شاہ ثانی تخت نشین ہوا جس پر ۱۵۹۴ء میں اکبری سپہ سالار عبدالرحیم خان خاناں نے حملہ کردیا حالانکہ قلعہ فتح نہ ہوسکا مگر ریاست کا پر سکون ماحول درہم برہم ہوگیا۔ ظہوری احمد نگر سے بیجاپور چلا آیا اور ابراہیم عادل شاہ (م۔ ۱۶۲۷ء) کے دربار سے وابستہ ہوگیا اور آخر عمر تک وہیں رہا۔ اس نے احمد نگر اور بیجاپور کے سلاطین وامراء کی مدح کے علاوہ اکبر اعظم' ابوالفضل' فیضی' شاہ فتح اللہ شیرازی' ابوالفتح گیلانی' مرزا عزیز کوکا اور مرزا یادگار کی مدح میں قصائد لکھے اور دربار مغلیہ سے انعام واکرام حاصل کئے۔[26] ظہوری کے ادبی آثار میں اس کا دیوان ہے جو قصائد' غزلیات اور رباعیات پر مشتمل ہے، علاوہ بریں ساقی نامہ ہے جو نہ صرف اس کا شاہکار ہے، بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق یہ فارسی کا بہترین ساقی نامہ ہے۔[27] کشمیری عالم میر شمس الدین عراقی (م۔ ۱۳۲۶ء) نے شیعی عقائد پر مبنی فارسی کتاب 'احوط' لکھی جو بعض مباحث کی بنا پر اختلافی رہی۔ کشمیری صوفیہ

میں سید علی ہمدانی (م۔۱۳۸۵ء) کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۱۰۱ بتائی جاتی ہے، جن میں ۸۲ دستیاب ہیں۔ ان میں چالیس سے زائد کتب و رسائل فارسی میں ہیں جن میں مجموعہ غزلیات' چہل اسرار ' اہم ہے۔ کشمیری فارسی شعراء میں بابا داؤد خاکی (م۔۱۵۸۸ء) شیخ یعقوب صرفی (م۔ ۱۵۹۴ء) حبیب اللہ حتی نوشہری (م۔ ۱۶۱۷ء)، مظہری کشمیری (م۔ ۱۶۰۷ء) مہدی علی کشمیری لدنی (م۔ ۱۵۹۶ء) وغیرہ اہم ہیں۔ سلاطین چک میں یوسف شاہ (م۔ ۱۵۸۵ء) کا فارسی میں منظوم خط تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ ناظم کشمیر سکھ جیون مل کھتری (م۔ ۱۷۶۲ء) نے انجمن شعرائے فارسی تشکیل کی اور ملا لعل محمد توفیق (م۔ ۱۷۸۵ء) کو ملک الشعراء مقرر کیا اور اس کی سرکردگی میں مختلف شعرا کی مدد سے شاہنامہ کشمیر' فارسی میں منظوم کرنے کا منصوبہ بنایا۔[۲۸] کشمیری فارسی شعراء کا ذکر فانی کشمیری (م۔ ۱۶۷۲ء) کے بغیر تشنہ رہے گا جو صوبہ دار الہ آباد کے عہدہ پر فائز تھے۔ ان کی مثنویاں فارسی ادبی تاریخ کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔[۲۹]

عہد اکبری کے اہم نثری کارناموں میں، فن تاریخ کی کتابوں کا خصوصیت سے ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سب سے اہم ابو الفضل (م۔ ۱۶۰۲ء) کا اکبر نامہ ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں آغاز سے اکبر کی ولادت' حسب ونسب تیمور' بابر اور ہمایوں کا ذکر ہے۔ دوسری جلد میں اکبری دور کے واقعات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ آئین اکبری کو اکبر نامہ' کی تیسری جلد کی حیثیت سے الگ تصنیف کی حیثیت حاصل ہے حالانکہ یہ اکبر نامہ کا ہی ایک حصہ ہے۔ اکبر نامہ ثقافتی' تہذیبی اور ادبی قاموس کا درجہ رکھتی ہے۔ فن تاریخ کے علاوہ پورے فارسی ادب میں بے نظیر ہے۔ ابو الفضل اپنے اسلوب بیان میں بے مثل ہے جو بعد میں کسی کو حاصل نہ ہوا۔ الفاظ کی دروبست' جملوں کی ساخت اور تراکیب کی چستی کی بنا پر ممتاز ہے۔

اس دور کا سرمایہ انشاء لازوال ہے، ان میں سب سے اہم ملا ظہوری ترشیزی کا' دیباچہ' ہے جو' سہ نثر ظہوری' کے نام سے مشہور ہے۔ پنج رقعہ' ظہوری کے پانچ خطوط کا مجموعہ ہے۔ ظہوری کا ایک مختصر رسالہ 'در انشاء' ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ظہوری کی نثر انشائے مرصع ہے، جس میں لاجواب ہے' بقول صاحب مآثر الامراء' خمسہ نظامی' کو نثر میں ڈھال دیا ہے۔[۳۰] آئین اکبری میں عصری زندگی کے مختلف النوع پہلو مثلاً خانگی' علمی' مذہبی' معاشرتی' صنعتی' زراعتی اور اقتصادی حالات وواقعات کی تفصیلات اعلا درجہ کی تحقیقی نثر کا نمونہ ہیں۔ فیضی اور ابو الفضل کے دشمن ازلی ملا عبد القادر بدایونی (م۔ ۱۶۰۵ء) کی منتخب التواریخ کی نثر فقرہ بازی' تجزیہ انداز اور ہدف انگیز انداز بیان میں منفرد ہیں۔ اس کی تیسری جلد میں شعراء کے حالات اور نمونہ کلام درج ہے جو فارسی ادب کے مطالعہ میں اہم ہے۔ فن تاریخ پر مبنی فارسی کتب کے ذکر میں گلبدن بیگم (م۔ ۱۰۱۱ء) کا 'ہمایوں نامہ' اہم ہے جو سلیس اور سادہ فارسی نثر استعارہ در استعارہ تراکیب' قوامی اضافت' تجانیس اور صنائع بدائع کی کثرت ہے۔ ابو الفضل کے مکتوبات' مکاتبات علامی' کے نام سے مشہور ہیں۔ موزوں الفاظ کا انتخاب' مراد فات' تشبیہات و استعارات کا بہ کثرت استعمال اور مقفی و مسجع فقرات کے علاوہ صوتی آہنگ' موزونیت اور تاثیر بیان بے مثل ہے۔ ابو الفضل کے طرز انشاء کے متعلق شاہ بخارہ عبد اللہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ اکبر اعظم کے تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا' جتنا ابو الفضل کے قلم سے۔[۳۱] فیضی کی انشائی تحریروں کا مجموعہ ''لطیفہ فیضی' میں صنائع بدائع' تشبیہات واستعارات اور مرصع نگاری نہیں ہے لیکن تاثر' سادگی و پرکاری کی خوبیوں سے مالامال

عرفی شیرازی (م۔ ۱۵۹۱ء) فارسی شاعری کی روایات کے ساتھ ہندستان وارد ہوا تھا۔ لیکن ہندستان آکر یہاں کے فارسی شاعروں میں فیضی' خان خاناں اور ابو الفتح گیلانی سے اتنا متاثر ہوا کہ ہندستان کے شاعر کی حیثیت حاصل کرلی۔ جس کو اہل ایران ''شیوۂ فارسی ہندستانی'' کہتے ہیں۔ اسے ''سبک ہندی'' کے ممتاز شعراء میں شمار کیا جاتا ہے۔

ہے۔ 'مکتوبات ربانی' شیخ احمد سرہندی کے ۳۲ مکتوبات کا مجموعہ ہے جو تین جلدوں میں شائع ہوئے۔ ان مکتوبات کا مقصد اکبر اعظم کے نظریہ صلح کل کی مخالفت 'تصوف میں وحدت الوجود کی بجائے وحدت الشہود کے نظریے کی تبلیغ وغیرہ ہے۔ اس پر تصوف کے ضمن میں روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ اس دور کے دیگر نثر نگاروں میں حکیم ابوالفتح گیلانی' اور شاہ فتح اللہ شیرازی کا نام خاص طور پر لیا جاسکتا ہے۔ عبدالرحیم خان خاناں علم وفضل میں ممتاز تھا۔ ترکی 'فارسی 'عربی اور ہندی زبانوں کا ماہر ادیب تھا۔ اکبر اعظم کی فرمائش پر اس نے توزک بابری 'کا فارسی میں ترجمہ کیا 'شعراء' فضلاء وامراء کا زبردست قدرداں تھا۔ ایک موقع پر نظیری نیشاپوری کو ایک لاکھ روپے بطور انعام عطا کئے۔ تقیای شوشتری نے ایک دن کہا کہ اس نے بارہ ہزار روپے نہیں دیکھے 'اس کے حسن طلب پر بارہ ہزار روپے عطا کئے۔ میر رفیع الدین حیدر کو پچاس ہزار مرحمت کئے 'اس طرح متعدد واقعات ماثر رحمی میں درج ہیں ۳۲۔ فیضی نے ایک قطعہ میں خان خاناں کی فیاضی پر دلچسپ تبصرہ کیا ہے:

خان خاناں عہد نفائش
طبع را بہ خصت شگفتن داد
داشت چون اعتماد بر شعراء
صلہ پیش از مدیحہ گفتن داد

دیگر انشاء نگاروں میں خواجہ حسین ثنائی اور عماد خاں کے نام ملتے ہیں۔

دور اکبری میں شعراء کے حالات پر مشتمل تذکرہ 'نفائس المآثر' میر علاء الدولہ کامی نے ۱۵۷۵ء میں تالیف کی۔ اس تذکرے میں بابر سے اکبر تک کے مختلف لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کی تاریخی اہمیت ہے۔ محمد عارف بقائی نے 'مجمع الفضلاء' اور عارف الآثار' میں اہل علم اور شعراء کے حالات درج کئے ہیں۔ سید علی بن محمود نے ۱۵۹۱ء میں 'بزم آرائی' لکھ کر اپنے ولی نعمت عبدالرحیم خان خاناں کے نام منسوب کیا۔ نور جہاں کے باپ اعتمادالدولہ کے چچیرے بھائی امین بن احمد رازی نے ۱۵۹۳ء میں 'ہفت اقلیم' لکھا۔ تقی الدین محمد ذکری معروف بہ تقی کاشی نے 'خلاصۃ الاشعار و زبدۃ الافکار' ۱۵۷۷ء سے ۱۵۸۵ء کے درمیان لکھا اور بیجاپور کے سلطان ابراہیم عادل شاہ (م۔ ۱۶۲۷ء) کے نام معنون کیا۔ محمد صوفی ماژندرانی معروف بہ ملا صوفی (م۔ ۱۶۲۵ء) نے ۱۶۰۱ء میں ۴۵ ہزار اشعار پر مشتمل ایک مجموعہ اشعار مرتب کیا اور اس کا نام 'خلاصۃ الشعراء وبت خانہ' رکھا۔ شعرائے بت خانہ کے حالات عبداللطیف عباسی نے بھی 'خلاصۃ الاحوال شعراء' کے نام سے لکھے۔ عہد اکبری میں علمی 'مذہبی اور تاریخی کتابوں کے علاوہ سنگھاسن بتیسی' کا ایک ترجمہ عبدالقادر بدایونی نے 'خرد افروز' کے نام سے کیا تھا۔ اس کے دو اور ترجمے اکبر کے حکم سے ہوئے جس کا نام اکبر نے 'شاہنامہ' رکھا۔ سنگھاسن بتیسی' کا ایک اور ترجمہ اکبر کے حکم سے منشی سید مظفر ابن سید ہاشم الحسینی نے کیا۔

> کشمیری صوفیہ میں سید علی ہمدانی (م۔ ۱۳۸۵ء) کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۱۰۱ بتائی جاتی ہے، جن میں ۸۲ دستیاب ہیں۔ ان میں چالیس سے زائد کتب ورسائل فارسی میں ہیں۔

اکبر اعظم کے جانشین جہانگیر (م۔ ۱۶۲۸ء) کو باکمال اساتذہ سے تعلیم وتربیت حاصل ہوئی تھی۔ اس کا کارنامہ 'توزک جہانگیری' سوانحی ادب کا شاہکار ہے۔ اس نے 'توزک بابری' میں بھی بعض اہم اضافے کئے۔ جہانگیر شعر وشاعری کا صاف ستھرا ذوق رکھتا تھا۔ شاعری میں فیضی کا شاگرد تھا ۳۳ اس کے اشعار مختلف تذکرہ نگاروں نے نقل کئے ہیں۔ فی البدیہہ شعر کہنے میں اُسے مہارت حاصل تھی۔ ۳۴ فن عروض سے کما حقہ واقف تھا ایک بار کسی شاعر نے اس کی مدح میں قصیدہ پڑھا جس کا پہلا مصرعہ تھا: 'اے تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا'

جہانگیر کے ذہن نے فوراً تقطیع کر ڈالی 'دولت بر سرت' کے رکن پر بچرا اٹھا: عروض جانتے ہو؟ شاعر نے لرز کر جواب دیا 'نہیں جانتا'

جہانگیر ہنس پڑا اگر تم عروض جانتے ہوتے تو میں تمہارا سر قلم کر دیتا۔۳۵ جہانگیر کو اچھے اشعار سے رغبت تھی۔ اپنے توزک میں جابجا اشعار نقل کیے ہیں۔ خواجہ حافظ شیرازی سے جہانگیر کو بے پناہ عقیدت تھی۔ مختلف موقعوں پر دیوان حافظ سے فال نکالتا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ میں اکثر اپنی مشکلات کا جواب خواجہ حافظ شیرازی کے دیوان سے حاصل کرتا ہوں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ نتیجہ' فال کے جواب سے مختلف ہو۔۳۶ جہانگیر فارسی کی نئی ترکیبیں وضع کرنے میں خصوصی دلچسپی رکھتا تھا۔ 'قصد کردن' کو 'سبک شدن' کہتا تھا۔ 'سنگترہ' کے لئے 'رنگ ترہ' کا لفظ وضع کیا۔ 'شراب' کو 'رام رنگی' کہتا تھا۔ طالب آملی نے بھی یہ اصطلاح استعمال کی ہے:

نہ ایم منکر صہبا ولیک می گویم
کہ رام رنگی ما نشہ دگر دارد

طالب آملی (م۔ ۱۶۲۵ء) جہانگیر کا ملک الشعراء تھا جس کو جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کی ۱۴ویں سالگرہ کے موقع پر ملک الشعراء کا منصب عطا کیا تھا۔ کلام طالب میں تشبیہ' استعارہ اور کنایہ پر زور ہے۔ استعارہ کو شعر کا لازمی جزو قرار دیتا ہے:

سخن کہ نیست در و استعارہ نیست ملاحت
نمک ندارد شعری کہ استعارہ ندارد

طالب ہندی کلمات کا زیادہ استعمال نہیں کرتا لیکن ہندستان کے موسموں سے متاثر تھا۔ گجرات کی برسات دیکھی تو کہہ اٹھا:

در حسرت لعل تو زبند مژہ طالب
چندان یمنی ریخت کہ گجرات یمن شد

اجمیر کا سبزہ زار دیکھ کر پکار اٹھا:

طالب ز سبز گلشن اجمیر چون نسیم
مگذر' خیال کن کہ بہ آمل نشستہ ایم

اور کشمیر جنت نشان کے جلووں سے مبہوت ہو گیا:

> ابوالفضل کے مکتوبات 'مکاتبات علامی' کے نام سے مشہور ہیں۔ موزوں الفاظ کا انتخاب 'مرادفات' تشبیہات و استعارات کا بہ کثرت استعمال اور مقفی و مسجع فقرات کے علاوہ صوتی آہنگ' موزونیت اور تاثیر بیان بے مثل ہے۔ ابوالفضل کے طرز انشاء کے متعلق شاہ بخارہ عبداللہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ اکبر اعظم کے تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا' جتنا ابوالفضل کے قلم سے۔

بیا کہ مجمع خوبان دلربا اینجاست
کرشمہ باہمہ اینجا و نازہا اینجاست
قدم ز نقطہ کشمیر برنمی گیرم
مقیم مرکز عیشیم و جای ما اینجاست۔

(باقی آئندہ)

حوالے:

۱۹۔ امین احمد رازی: ہفت اقلیم ص ۲۱۷

۲۰۔ ابوطالب اصفہانی: خلاصۃ الافکار

۲۱۔ تقی اوحدی: عرفات العاشقین ص ۵۲۰

۲۲۔ منتخب التواریخ: ج ۲ ص ۲۹۶

۲۳۔ میر غلام علی آزاد: سرو آزاد ص ۲۱۵ شاہنواز خاں' میر عبدالرزاق مآثر الامراء ج ۲ ص ۳۵ (کلکتہ ۱۸۸۹ء)۔ بختاور خاں: مراۃ العالم ص ۵۱ (لاہور)

۲۴۔ منتخب التواریخ۔ ج ۲ ص ۳۹۶

۲۵۔ رضازادہ شفق: تاریخ ادبیات ایران ص ۳۷۰

۲۶۔ نذیر احمد: ظہوری ص ۱۰۰

۲۷۔ محمد افضل سرخوش: کلمات الشعراء ج ۴ ص ۷۲

۲۸۔ عبدالقادر سروری: کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ ص ۱۰ تا ۲۵۔

۲۹۔ عراق رضا زیدی: مثنویات فانی کا تنقیدی جائزہ۔ ص ۳۴۱ (بریلی ۱۹۹۴ء)

۳۰۔ مآثر الامراء ج ۲ ص ۲۴

۳۱۔ تاریخ ادبیات پاکستان و ہند ج ۴ (۲) ص ۸۱

۳۲۔ عبدالباقی نہاوندی: مآثر رحیمی ج ۳ ص ۶۸۱' ۶۲۲' ۶۹' ۵۰ (کلکتہ ۱۹۲۴ء)

۳۳۔ شبلی نعمانی: شعر العجم۔ ج ۳ ص ۱۴۸ (اعظم گڑھ ۱۹۴۵ء)

۳۴۔ توزک جہانگیری ص ۳۰۳

۳۵۔ محمد افضل سرخوش: کلمات الشعراء ص ۳۲

۳۶۔ توزک جہانگیری ص ۲۴۵

☆☆☆☆☆

اسلامی فنون لطیفہ

از: ٹائٹس برکہارٹ

۴۔ وہ انتقادات جو اسلامی فنون لطیفہ نے فن کے جدید علم تاریخ پر کئے ہیں۔

فنون لطیفہ کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ہم اکثر یہی پڑھتے ہیں کہ اسلامی فنون لطیفہ جس وقت اپنے ابتدائی مراحل سے گزر رہے تھے' ان میں جدت پسندی وندرت کا عنصر پایا جاتا تھا یعنی یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ان فنون نے اپنے بزرگوں کی میراث کو یکجا جمع کر کے انہیں نئی شکل وصورت دینا شروع کر دی تھی لیکن بعد کے ادوار میں ان پر ایسا جمود طاری ہوا کہ کسی نئی چیز کی تخلیق نہ ہو سکی۔ انہی کتابوں میں ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ اگرچہ مذکورہ تصاویر نے مسلم اقوام کے درمیان نسلی اختلاف پر مکمل طور پر خط باطل تو نہیں کھینچا لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ انفرادی جدت پسندی کے چشمے خشک ہو گئے۔ اور یہ کام آسانی سے اس بنا پر ہو گیا کہ مذہب نے نقاشی وپیکر تراشی کو ممنوع قرار دے دیا جس کے باعث یہ فن بہت گہری اور حیاتی ابعاد سے محروم ہو گیا۔

یہاں ہم نے ان منفی احکام کو جو شدید ترین شکل میں پیش کئے گئے ہیں بعینہ نقل کر دیا ہے' لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ صرف چند ہی یورپی محقق ایسے ہیں جو ان حقائق کو اس صورت میں قبول کرنے کے لئے تیار ہیں جو یہاں پیش کئے گئے ہیں۔ اب بہتر یہی ہو گا کہ ہم ان حقائق کو مزید صراحت کے ساتھ بیان کریں۔ کیونکہ مذکورہ احکام اس محدودیت کے باوجود جو کہ اس میں موجود ہے، اس رائے کے اظہار میں مدد دیتے ہیں جو فی الحقیقت اسلامی فنون لطیفہ کی ماہیت کے عین مطابق ہیں۔

۵۔ اس تنقید کا جواب کہ کیوں بعض مسلمانوں نے فن نقاشی کو ممنوع سمجھ لیا ہے:

مذکورہ اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے سب سے پہلے ہمیں آخری اعتراض کو مدنظر رکھنا چاہئے یعنی یہ کہ دین اسلام نے مجسمہ سازی کو کیوں ممنوع کیا؟ اس ممانعت کے دو پہلو ہیں' ایک طرف تو قرآن مجید نے بت پرستی کو قطعی ممنوع قرار دیا ہے۔ مجموعی طور پر اسلام میں بت پرستی سے مراد یہ ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ کے اوصاف کو مختلف مشہود صورتوں میں نہ تراشا جائے درحالیکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ذات سبحانہ وتعالیٰ ہر اس وصف نیز تمام ان اوصاف سے برتر وبالا ہے جو زبان سے ادا کئے جاتے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے پاس رسول اکرمؐ کی ایسی احادیث موجود ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص خلاق عالم کے عمل کی تقلید کرتا ہے اور زندہ موجودات' بالخصوص انسانوں کے نقش ونگار یا مجسمے بناتا ہے تو وہ گویا نہ صرف اس اسلامی حرمت کی خلاف ورزی کرتا ہے بلکہ کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ موخر الذکر ممانعت کا ہمیشہ اور ہر جگہ مکمل طور پر پاس نہیں رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس مسئلے کا تعلق انسان کے اپنے عمل سے زیادہ اس کی نیت سے ہے بالخصوص ہندستان اور ایران میں فنکاروں نے تو یہ دلیل بھی پیش کر دی کہ اگر کسی پیکر کی نقاشی کسی موجود شے' کی تقلید کے مقصد وارادے سے نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کی تصویر کشی اس کے مشابہ کی گئی ہے تو یہ اقدام جائز ہے جو بذات خود ایرانی نقش ونگار میں غیر تصوری اسلوب کے وجود میں آنے کی ایک دلیل ہے اور یہ وہ اسلوب ہے جس میں منظر کشی کے ذریعے تین ابعادی تصوراتی فضا ذہن میں پیدا کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ان مناظر میں کم رنگ کے سایوں کا

بھی استعمال نہیں ہوتا۔ اس قسم کی نقاشی کے لئے جو جواز پیش کیا گیا ہے، اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بھی مسجد ایسی نہیں جس کی آرائش وزیبائش مجسموں یا تصویروں سے کی گئی ہو۔ اور خداوند تعالیٰ کو انسانی وجود میں پیش کیا گیا ہو۔

اگر ہم ان مسائل کو سطحی طور پر دیکھیں تو ممکن ہے کہ اس زاویے سے سوچنے لگیں کہ اسلامی نظریے اور پیر ایلنگری کی پوریٹن (PORITAN) تحریک میں باہمی مماثلت پائی جاتی ہے اور یہ وہ تحریک تھی جو اس رائے کی حامی تھی کہ اگر مقدس فن لطیف میں مسئلہ رمزیت ۲ کی جانب اگر ذرا بھی بے توجہی کی گئی تو اسے کذب و دروغ کے مترادف قرار دیا جائے گا۔

تصویری فن کے رمزی ہونے کی حیثیت اس خیال پر قائم ہے کہ وجود شے مشکوک ہے درحالیکہ وجود حقیقی، ذات واحد ہے۔ اور اصل حقیقت وجود میں، تمام موجودات باہمی طور پر مساوی و متحد ہیں۔ چنانچہ تمام افراد میں ہر فرد کسی نہ کسی شکل میں اصل حقیقت وجود کا ہی جلوہ ہے۔ اور اس قاعدے کی رو سے جس کا قرآن میں ہزاروں صورتوں میں استعارے کی زبان میں بیان کیا گیا ہے' مذہب اسلام نے ہرگز غفلت نہیں برتی ہے' مثلاً ایک جگہ خداوند تعالیٰ اس صحیفہ' مقدس میں فرماتا ہے: وان من شئی الا یسبح بحمدہ... (کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ بیان کر رہی ہو۔ (سورہ بنی اسرائیل آیہ' ۴۴) اگر اسلام میں انسانوں کی تصویر کشی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے تو (عیسائی پیر ایلنگر مصوروں کی رائے کے برخلاف) اس کی وجہ یہ نہیں کہ تخلیق و ایجاد کی مقدس صنعت کی جانب سے بے اعتنائی برتی گئی ہے بلکہ اس کے برعکس اس کا سبب یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات کے مطابق انسان خلیفہ فی الارض بنا کر بھیجا گیا ہے۔

چنانچہ پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے خلق آدم علیٰ صورتہ (خداوند تعالیٰ نے آدمؑ کی تخلیق اپنی صورت پر کی ہے) یہاں صورت سے مراد صفات میں شباہت ہے۔ کیونکہ جو قوتیں انسان کو عطا کی گئی ہیں وہ خدا کی ہفتگانہ صفات کا جلوہ ہیں اور وہ ہیں: حیات' علم' ارادہ' طاقت' سماعت' بصارت اور کلام وغیرہ۔

انسانی پیکر کے بارے میں جو مسلمانوں کا موقف ہے' جب اس کا مقابلہ ہم اس موقف سے کرتے ہیں جو عیسائیوں کا ہے تو ہمیں مندرجہ ذیل چیدہ مطالب سے متعلق زیادہ غور و فکر کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ تو ہم جانتے ہی ہیں کہ عیسائیت میں پیکر انسانی کے بارے میں جو عقیدہ ہے اس کے ساتھ مسلمانوں نے جو راہ و روش اختیار کی یہ اسی کا اثر تھا کہ بازنطینی تمدن میں وہ تحریک عالم وجود میں آئی جو بازنطینی شمائل شکنی ۳ کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن ساتویں عالمی مجلس شوریٰ نے اس تحریک کا جواب دیتے ہوئے یہ بات واضح کر دی کہ مندرجہ ذیل دلائل کی بنا پر عیسائیوں کے نزدیک عبادت میں شمائل کا استعمال جائز ہے:

"اگرچہ ذات خداوندی کو اوصاف کے جامے میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن کلمۃ اللہ چونکہ انسانی ہیولیٰ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اختیار کر کے ظاہر ہو چکا ہے اور جسے اس کی شکل میں واپس بلا لیا گیا اور حسن خداوندی اس کے جسم میں حلول کر گیا ہے اس بنا پر فن تصویر کشی، شمائل سازی کے ذریعے تجسم کے اس راز کو نمایاں کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس عقیدے کے بارے میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے نظریات میں واضح فرق ہے لیکن بہر صورت دونوں مذاہب کے پیروکاروں کا حقیقت پر مبنی اس امر پر اتفاق ہے کہ انسان شباہت خداوندی کا حامل ہے۔

تصویر کشی جیسے مقدس فن سے متعلق عیسائیت میں جو عمیق ترین توضیحات پیش کی گئی ہیں اس میں سے ایک شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں بیان کی ہے اور جس کا ذکر کر دینا یہاں مناسب ہوگا۔ موصوف نے لکھا ہے: اہل بیزانس نے فن صورت سازی کو اوج پر پہنچا دیا ہے کیونکہ وہ اس عقیدے کے حامی ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی فردانیت ان کی تصویر میں جلوہ گر ہوتی ہے تاکہ انسان اس پر تمام افکار و خیالات کو مرکوز کر کے خداوند واحد کی جانب متوجہ ہو سکے۔ جو قول بطور دلیل پیش کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیکر کا رمز و علامت ہونا مسلم متفکرین کے لئے فی نفسہ ناقابل فہم بات نہیں اگرچہ وہ احکام قرآنی کے پابند ہونے کے باعث مقدس ہستیوں کے مجسموں کو تسلیم کرنے کے ہمیشہ ہی منکر رہے ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ تنزیہ (پاکیزگی' مجسمہ پرستی سے دوری) کو شبیہ سازی پر مقدم سمجھتے ہیں۔ تثلیث (دوگانگی) کے جو پہلو ہیں ان میں سے پہلا پہلو

یعنی تنزیہ 'حتی انسان کا مشابہ خدا ہونا خود ہی حل ہو جاتا ہے۔ امر واقعی یہ ہے کہ وہ ہفت گانہ صفات جو انسان کو شبیہ الٰہی کہلائے جانے کا موجب ہوئی ہیں یعنی حیات 'علم' ارادہ' طاقت' سماعت 'بصارت اور کلام کا مشاہدہ کسی طرح بھی کسی شکل و صورت میں نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ مجسمے میں نہ زندگی ہوتی ہے اور نہ ہی دانش و طاقت وغیرہ اس بنا پر پیکر یا مجسمہ انسان کو جسمانیت کے رتبے سے بھی گرا دیتا ہے۔

اگرچہ یہ ہفتگانہ صفات انسان میں محدود ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنی قوت کی بنا پر

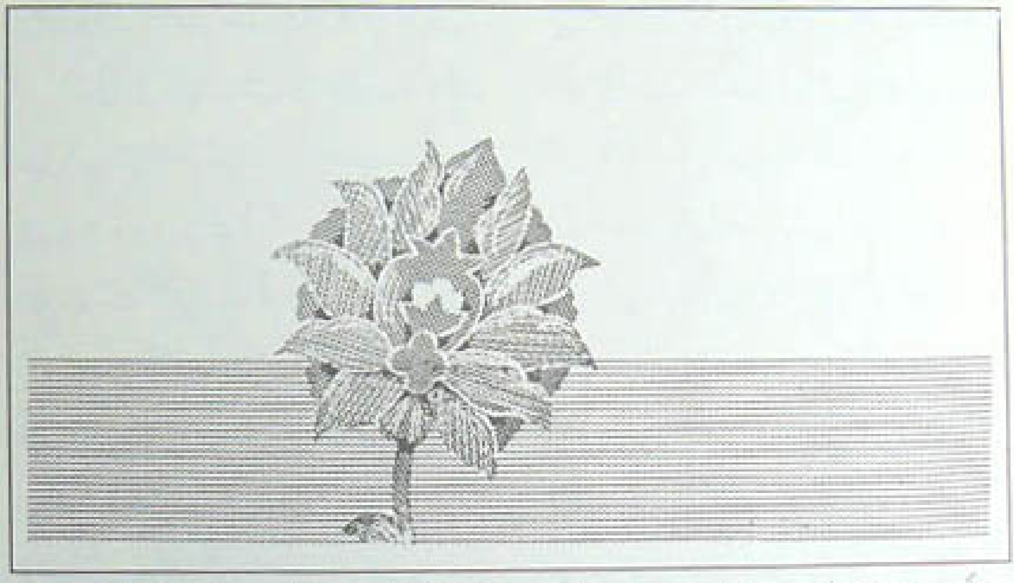

خدائی اوصاف کا حامل ہے چنانچہ حدیث قدسی میں آیا ہے: "...... میں وہ کان بن جاتا ہوں جس سے میرا بندہ سنتا ہے' میں وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ (تا آخر)۔" انسان میں وہ معانی موجود ہیں جنہیں وہ کسی بھی فطری طریقے سے بیان نہیں کر سکتا۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

إنّا عرضنا الامانة على السّموات والارض والجبال فابين ان يحملنها و اشفقن منها وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا ۔ (ہم نے (روز ازل) اپنی امانت (اطاعت و عبادت) کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اس کو اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے (بے تامل) اٹھا لیا۔ بیشک انسان (اپنے حق میں) بڑا ظالم اور نادان ہے)۔ (سورہ الاحزاب آیہ ۷۲)

یہ امانت عام انسانوں میں محض قوت ہے۔

لیکن انسان کامل یعنی انبیاء، و اولیاء اور پیغمبران خدا میں یہی قوت درجہ فعلیت تک پہنچ گئی۔ یہ امانت کامل انسانوں میں باطن سے ظاہر تک میں سرایت کر جاتی ہے۔ اور ان کا نور ان کے ظاہری جسمانی سراپے پر درخشاں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس خوف سے کہ اس امانت خداوندی کی بے حرمتی نہ ہو اسلامی فنون لطیفہ میں کوشش کی جاتی ہے کہ پیغمبران خدا 'اولیاء وانبیاء کی تصویر کشی سے اجتناب کیا جائے۔

مذہب اسلام کے سلسلے میں ہمیں چاہئے کہ مرکب لفظ "شمایل شکنی" کی بجائے "عدم شمایل سازی" جیسی اصطلاح کو ترجیح دیں۔

کیونکہ اسلام میں عدم شمایل سازی صرف منفی پہلو کا حامل نہیں بلکہ اس کا مثبت رخ بھی ہے۔ چنانچہ ایسی تصاویر کو حذف کر کے جن میں ذات خداوندی کی جلوہ گری انسانی پیرائے میں کی گئی ہو فنون لطیفہ کم از کم مذہبی حلقوں میں انسان کی یہ مدد کرتے ہیں کہ وہ مکمل طور پر کمل جائے۔ یعنی انسان اپنی ذات کو اپنے سے باہر منعکس کرنے کے بجائے اپنے وجود کے مرکز میں ہی مستقر کرے۔ اگرچہ وہ ایک جگہ خلیفۃ الٰہی کے تخت پر متمکن نظر آتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس نے اپنی گردن میں طوق بندگی بھی ڈال رکھا ہے۔ دراصل اسلامی فنون لطیفہ کا مقصد اعلیٰ یہ ہے کہ ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس میں انسان عزت و شرف کے اس تحفے کو حاصل کرلے جو اسے ازل سے عطا کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ہر اس چیز سے جو بمنزلہ "بت" ہو اجتناب کیا گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان چیزوں سے بھی گریز کی جانی چاہئے جن میں بت ہونے کا شائبہ پایا جاتا ہو۔ کیونکہ نسبتاً وہ بھی بت ہونے کے ہی زمرے میں آتی ہیں اور ناپائدار خدا و انسان کے درمیان مانع و حائل بن جاتی ہیں۔

حوالے:

1.non illusive
2.symbolism.
2.byzantine Iconoclasm.
3.Iconoclasm.
4.Aniconism.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہالت کے خلاف جدوجہد میں ایران کو یونسکو نشان افتخار حاصل ہوا۔

صدر جمہوری اسلامی ایران حضرت حجت الاسلام سید محمد خاتمی کے نام اپنے مکتوب میں یونسکو کے ڈائریکٹر جنرل نے عوام الناس میں تعلیم کو فروغ دینے کے سلسلے میں ایران کی بھرپور ستائش کی اور جہالت کے خلاف جدوجہد میں ایران کو یونسکو نشان افتخار ملنے پر ایرانی عوام کو پُرخلوص مبارکباد پیش کی۔

۱۹۹۶ء سے بین الاقوامی تنظیم یونسکو (UNESCO) ہر سال ۸ر ستمبر کو "عالمی یوم تعلیم" کے نام سے ایک شاندار جشن کا اہتمام کرتی ہے جس کا مقصد عالمی انسانی برادری کو تعلیم کی اہمیت نیز اس ثقافتی اور تعلیمی تنظیم کے دیگر اغراض ومقاصد کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ اس پروگرام میں "تعلیم سب کے لئے" عنوان کے تحت بین الاقوامی سطح پر تعلیمی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

اس تعلیمی پروگرام کے دوسرے سال یونسکو کے ڈائریکٹر جنرل نے ۸ر ستمبر ۱۹۹۷ء کو ایک ایسی کمیٹی کی تشکیل کا اعلان کیا جو ساری دنیا میں ہونے والی تعلیمی سرگرمیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے "جہالت کے خلاف جدوجہد" میں کامیاب ترین ملکوں کو انعام وخصوصی احترام سے سرفراز کرے۔

اس انعامی کمیٹی کا پہلا اجلاس ۲۲ر سے ۲۵ر جون ۱۹۹۸ء تک یونسکو کے مرکزی دفتر میں منعقد ہوا جس میں دس ایشیائی ملکوں یعنی بنگلہ دیش، چین، ہندوستان، انڈونیشیا، پاکستان، گینیہ جدید، فلپائن، سری لنکا، ایران اور تھائی لینڈ نے اپنی تعلیمی سرگرمیوں پر مشتمل اطلاعات پیش کیں۔ تعلیمی ماہرین نے ایران اور سری لنکا کو "یونسکو نشان افتخار" کا مستحق قرار دیا۔

واضح رہے کہ فروری ۱۹۷۹ء میں انقلاب اسلامی ایران کی عظیم الشان کامیابی کے فوراً بعد ایران میں اسلامی جمہوری حکومت کے بانی امام خمینیؒ نے ایک تاریخی فرمان جاری کرتے ہوئے ملک وملت کو جہالت کے خلاف جہاد چھیڑنے کی دعوت دی جس کے نتیجے میں ملک گیر پیمانے پر ایک تعلیمی تحریک شروع ہوگئی۔ اس وقت ایران میں ۵۲،۵ فیصد افراد تعلیم کی نعمت سے محروم تھے لہٰذا وسیع پیمانے پر مکمل اور منصوبہ بند تعلیمی سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ اس پروگرام کے تحت تعلیم نسواں اور تعلیم بالغان کے ساتھ ساتھ شہری اور دیہاتی ودور افتادہ علاقے کے لوگوں کو بھی تعلیم کی نعمت سے مالامال کرنے کا خصوصی اہتمام کیا گیا نیز مسلح افواج اور سرکاری ونیم سرکاری دفتروں اور کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا جس کے نتیجے میں اسلامی جمہوریہ ایران نے ملک سے جہالت کو دور بھگانے میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ذیل میں ایران میں ناخواندگی کی موجودہ صورتحال پر مشتمل ایک تقابلی خاکہ پیش کیا جارہا ہے جس کی روشنی میں قارئین کو حقیقت کا اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی سے قبل اور کامیابی کے بعد ایران میں ناخواندگی کی صورتحال

تفصیل	اسلامی انقلاب سے قبل ۱۹۷۶ء میں	۱۹۹۶ء میں
۶ سال سے زیادہ عمر والے شہریوں کی آبادی۔	۲۷۱۱۳۸۳۳	۵۲۲۹۳۹۷۹
ناخواندہ جاہل افراد کی کل تعداد	۱۳۲۳۵۷۶۹	۱۰۷۱۳۷۰۳
ناخواندہ مردوں کی کل تعداد	۵۷۲۷۶۰۳	۳۰۶۸۸۵۳
ناخواندہ عورتوں کی کل تعداد	۸۵۰۸۱۹۵	۶۶۳۳۸۳۸
۳۰ سال سے کم عمر والے ناخواندہ مردوں کی کل تعداد	۲۹۹۶۸۰۷	۱۳۹۳۹۰۱
۳۰ سال سے کم عمر والی ناخواندہ خواتین کی کل تعداد	۵۶۰۰۹۳۹	۲۷۳۳۳۴۱
۳۰ سال سے کم عمر والے ناخواندہ شہریوں کی کل تعداد	۸۵۹۷۳۳۶	۳۱۰۹۳۳۳
دیہاتی افراد میں فیصد ناخواندگی	۶۹/۵ فیصد	۳۰/۳۹ فیصد
شہری افراد میں فیصد ناخواندگی	۳۳/۵ فیصد	۱۰/۳ فیصد

جشن ولادت

جشن ولادت حضرت علی علیہ السلام (۱۳ رجب) کے سلسلے میں سیدپورہ سوپور (کشمیر) میں ایک جلسہ سیرت منعقد ہوا، جس کی صدارت امام جمعہ و جماعت آغا سید مظفر علی رضوی نے کی۔ انہوں نے اس موقع پر امام زمان (عج) اور ان کے حقیقی جانشین حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای اور عوام المسلمین کو مبارکباد دی اور عالم اسلام کی سربلندی کے لئے دعا کی۔ جلسے میں قصائد اور مقالے پڑھے گئے اور انعامات بھی تقسیم ہوئے۔

بڈگام میں یوم علیؑ

انجمن شرعی شیعیان کی طرف سے بڈگام (کشمیر) میں تاریخ ولادت امام علی علیہ السلام کے سلسلے میں شاندار تقریب منعقد ہوئی، جس کی صدارت صدر انجمن حجۃ الاسلام آقای سید مصطفیٰ الموسوی الصفوی نے کی۔ انہوں نے سیرت امیر المومنین علیہ السلام پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہوئے، عالم انسانیت کی خوشحالی کے لئے دعا کی۔

اس جلسے میں حوزہ علمیہ باب العلم کے مدیر حجۃ الاسلام آغا سید حسن الموسوی الصفوی نے بھی خطاب کیا۔

آپ کا صفحہ

محترم قارئین نے لکھا ہے:

میں سب سے پہلے تو عالی جناب محمد رضا باقری صاحب۔ ایڈیٹر پرنٹر پبلشر **راہ اسلام** کو مبارکباد پیش کرتی ہوں کہ ان کی ادارت میں ہندستان سے اتنا اچھا معیاری ماہنامہ شائع ہوتا ہے راہ اسلام نہایت ہی معلوماتی مضامین سے مزین اور ایک دلکش رسالہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ زور قلم اور زیادہ کرے۔ گٹ اپ تو خوب ہے۔

زلیخا بیگم

(امان نگر، حیدر آباد)

☆☆☆

راہ اسلام بہت اچھا ہے۔ اس میں عام مسلمانوں کی خبریں بہت کم ہیں۔ ایران کی خبروں کے ساتھ تصاویر بھی ہوں تو اچھا ہے۔ اور بھی سلیس زبان استعمال کیجئے۔ فارسی زبان پڑھانے کے لئے ایک سبق شروع ہو جاتا تو اچھا ہوتا۔

صدیق۔ ٹی۔ ای۔

(کنجرپلی۔ کیرالہ)

☆☆☆

میں نے راہ اسلام کے تمام مضامین کا بغور مطالعہ کیا، معیار بہت بلند اور معلوماتی ہے خصوصاً قرآن کریم کی سورتوں کی وجہ تسمیہ، وحدت واتحاد، عالم اسلام میں مذہب اور تمدن کا اتصال اور خرداد سے خرداد تک۔

سید بدر الحسن زیدی

(سالار گنج کالونی۔ حیدر آباد)

☆☆☆

راہ اسلام میں فارسی سیکھنے کے اور quiz کے صفحات بھی ہوتے تھے مگر پچھلے کچھ شماروں سے وہ شائع نہیں ہوتے، دوسری بات یہ ہے کہ راہ اسلام جو کہ اردو میں ہے، اس کے ساتھ ہندی اور انگریزی میں بھی صفحات ہونے چاہئیں۔ اس کے علاوہ، یہ ہمیں بہت دیر کے بعد دستیاب ہوتا ہے مثلاً مئی۔ جون کا شمارہ ہمیں ۷ار اگست کو موصول ہوا۔ اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ اس پر غور کریں۔

سرفراز احمد بٹ

(سرینگر۔ کشمیر)

☆☆☆

ایک بہت دلچسپ رسالہ ہے جو ایک انسان کو اپنے حقوق اور فرائض سے باخبر کرتا ہے بلکہ ایک اچھے معاشرہ اور تہذیب وتمدن کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کا مطالعہ کر کے ایک مسلمان میں وہ مذہبی بیداری آتی ہے جس سے وہ ہر ظلم وستم کے خلاف آواز بلند کرتا ہے اور اپنے حقوق کو دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

نثار احمد

(ماگام، بڈگام، کشمیر)

☆☆☆

رسالہ معلوماتی ہے۔ اس میں سوال و جواب کا معیاری انعامی مقابلہ ہر دو ماہ میں شائع ہو

چاہئے جس سے انسان کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ سال میں ایک بار ایران کا سیاسی نقشہ بڑے سائز کا شائع کرنا چاہئے، ایرانی عوام کے رہن سہن وزبان کے متعلق کچھ نہ کچھ طبع ہونا چاہئے۔

قاسم رضا جعفری

(شعبہ علم الادویہ، اے، کے طبیہ کالج، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔)

☆☆☆

راہ اسلام کے مضمون قابل اعتبار اور بہترین معلومات دینے والے ہوتے ہیں۔ بلند معیاری مضامین اعلیٰ کاغذ اور عمدہ چھپائی کی وجہ سے خوب مقبول ہے۔

محمد ولی مکرم

(سپرانٹینڈینٹ (اکاؤنٹس) دریاپور۔ احمد آباد۔)

☆☆☆

اسلامی معلومات سے بھرا ہوا ہے، اس کے علاوہ بھارت اور ایران کی دوستی کا پتہ چلتا ہے۔

نفیس الدین

(اسسٹنٹ ایڈیٹر)

ذوالقرنین (ویکلی) بدایوں۔ یوپی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مندرجہ ذیل حضرات کے تجزیاتی گرامی نامے بھی موصول ہوئے ہیں:

۱۔ سید زاہد حسین جعفری بن سید ناظر حسین۔ دیوبند (یو۔پی)
۲۔ قاضی حبیب احمد۔ کندرکی۔ مراد آباد (یو۔پی)
۳۔ ایم۔اے۔خان۔ گورکھپور (یو۔پی)
۴۔ سید ساجد الدین۔ حیدرآباد (یو۔پی)
۵۔ سید اکبر حسین رضوی۔ پرتاپ گڈھ (یو۔پی)
۶۔ امتیاز حسین قضا۔ جونپور (یو۔پی)
۷۔ سید زاہد حسین زیدی۔ گوولی سادات۔ بجنور (یو۔پی)
۸۔ خادم عباس کاظمی۔ لکھنؤ (یو۔پی)
۹۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد مقبول صوفی۔ پلوامہ۔ (کشمیر)
۱۰۔ رئیس احمد نعمان۔ علیگڑھ (یو۔پی)
۱۱۔ ڈاکٹر (مسز) کاظمی حسینی نقوی۔ لکھنوی (یوپی)
۱۲۔ سید رسول شاہ الموسوی سری نگر (کشمیر)

لائبریریوں اور دیگر اداروں کے مہتمم حضرات نے بھی تجزیاتی خطوط تحریر فرمائے ہیں:

۱۔ مدرسہ مدینۃ العلوم۔ رجدے پور۔ غازی پور (یو۔پی)
۲۔ سلیم اردو لائبریری۔ سیوان۔ (بہار)
۳۔ فاضل اکیڈمی۔ حیدرآباد۔ (اے۔پی)
۴۔ شعبہ اردو۔ جے۔ایس۔ ہندو کالج۔ امروہہ (یو۔پی)
۵۔ اسٹوڈینٹس اسلامک اسٹڈی سرکل۔ ارریہ کورٹ۔ (بہار)
۶۔ امامیہ لائبریری تنظیم المکاتب۔ ضلع بڈگام۔ (کشمیر)
۷۔ نادی الطلبہ۔ گاندھی نگر۔ بستی۔ (یو۔پی)
۸۔ لائبریری۔ بارگاہ کلاں انصاریان۔ کیرانہ۔ مظفر نگر۔ (یو۔پی)
۹۔ لائبریری ارشادیہ کالج۔ کیرالہ
۱۰۔ اسٹوڈینٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا۔ (کیرالہ)

آپ کے سوالات
آپ کے جوابات

گزشتہ شمارے میں محمد یوسف گلکار کے دو سوالات، اس کالم میں شائع کئے گئے تھے اور قارئین کرام سے خواہش کی گئی تھی کہ وہ ان سوالات کا جواب دیں کیونکہ یہ "آپ کا صفحہ ہے،" اس پر ہم آپ کے ہی جوابات شائع کریں گے۔ آپ بھی اپنی طرف سے کوئی اہم سوال پیش کر سکتے ہیں۔

اس کالم کے لئے ہمیں مندرجہ ذیل سوال موصول ہوئے ہیں، ان کے مختصراً جواب آپ لکھئے:

۱۔ امام خمینیؒ نے یہ کس بنیاد پر کہہ دیا تھا کہ انشاءاللہ آنے والی صدی میں مسلمان صاحب اقتدار بن جائیں گے؟

(صفدر حسین جعفری۔ سرسی۔ ضلع مراد آباد)

۲۔ خانہ کعبہ حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا یا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے؟

(منور حسین۔ دہلی)

RAH-E-ISLAM

No.173-174, Sept.-Oct., 1998

Editor, Printer, Publisher:
Mohammad Reza Bagheri

Contents

Islam and Responsibilities of Being a Muslim (*Editorial*)

Hazrat Imam Ali's biography and selected portions from historic *Farman* addressed to his Commander-in-Chief Malik-e-Ashtar

Ayatullah Taskhiri's Message

The last paragraphs of Dr. Ali Shariati's book "Fatima is Fatima"

Visitation to Hazrat Fatima Zahra (A.S.)

Development of Mosque ...

Persian Literature ...

The Philosophy of *Parda* ...

An Introduction to 'Irfan (*Part-2*)

The *Rah-e-Islam* monthly magazine has allocated some of its pages for English articles. The honour-able readers may send their papers to us on the address given below.

Address:
The Editor, RAH-E-ISLAM
18, Tilak Marg, New Delhi-110001
Tele.: 3383232-4 Fax. No.3387547

Islam and Responsibilities of Being a Muslim

Islam, as the last divine religion, possesses all such laws which are essential for the human world. It has all such qualities which are capable of guiding the human society towards its ultimate goal with peace and tranquillity. Islam can cope with all the requirements and demands of human society through all the ages.

There is no doubt that a Muslim will have to face so many problems and difficulties in reaching the ultimate Islamic goal of life. The high ranking jurisprudents and experts of Islamic theology will have to shoulder the special responsibilities to resolve the problems and difficulties of Muslim masses and will have to present exalted models of Islamic personalities before the human world. This can be feasible only by initiating timely steps in this direction. In brief the Muslim Ulema should try to find out ways and means for resolving the problems and difficulties of the Islamic society and to enable it to proceed towards the ultimate Islamic goal.

On the other hand, Islam has always been surrounded with such dangerous and bitter enemies who have been actively engaged in annihilating Islam. The anti Islamic activities of these enemies can be divided into various sections like political, social, economic and cultural enmities.

There is no doubt that anti Islamic forces have made the existence of Muslims as their main target and are striving for the annihilation of the cultural values of Muslims. For getting success in their nefarious designs the enemies of Islam have chalked out long and short term policies and programmes with the help of their allies and agents. Sometimes, these agents and allies are seen openly on their westernised platforms and on some other occasions they are projected as the so-called scholars of Islam who because of a lack of information about Islam and also because of superficial knowledge of Islam make this propaganda throughout the world that Islam has not been capable of coping with the requirements of human society through the ages. They also propagate that Islam can't fulfil the demands of human society after a gap of more than a millennium. This is an irresponsible statement and the

true Islamic scholars and Ulema should come forward to give a suitable reply to these agents and mercenaries of the anti-Islamic forces.

As the champion of unity among Muslims, the Islamic Republic of Iran has always emphasised that Muslims should safeguard their unity. In this regard Iran has been trying to make the Muslims of the world well acquainted with the importance of unity and Islamic brotherhood so that they could work for the stable and practical unity among themselves.

But what can be done when a group of people in an Islamic nation is actively engaged in violating international human norms and principles, puts the Islamic laws under its feet, doesn't adhere to the principles of Islamic unity and considers its self as the real Islamic group, massacres Muslim fellow countrymen including defenceless women and children and feels proud in killing its own guests. One has to be very careful in the mission of defending Islam. This group of a handful of Muslims is indulging in all such deeds which are very encouraging for the enemies of Islam. To present Islam in the form of a ruthless, illogical and unkind religion is nothing but a part of the anti-Islamic plots and conspiracies hatched by enemies of Islam.

It would have been better if this group of Muslims, had not engaged themselves in such shameful and inhuman acts in the name of Islam. If it would have been so then this group wouldn't have considered only the keeping of beard and imprisonment of Muslim women within the four walls of the house as the only and ultimate limits of Islam. This group should realise the true spirit of Islam which teaches us to fight against all evils for the liberation of human society from the clutches of evils and corruption, which has always presented good and useful human models before the world and has always worked as a guiding force for the liberation of mankind.

It would be appropriate to mention that the Muslim women, during the early age of Islam had played a pivotal role in keeping their men actively engaged in their Islamic activities. A student of the history of Islam cannot ignore the services of Hazrat-e-Khadijeh to the promotion and development of Islam. Nobody can deny the valuable sacrifices offered by Hazrat-e-Fatimah the beloved daughter of prophet Muhammad in defending Islam. She imparted all necessary training to her sons and daughters to fight against the enemies of Islam and to protect this divine religion even at the cost of embracing martyrdom. The messenger of Husaini revolution Hazrat-e-Zainab rendered such valuable services for safeguarding Islam which cannot and never will be forgotten.

All such groups of Islamic societies which consider the role of women limited to keep their husbands happy and to look after their children are committing a mistake. They should realise this fact that they are committing a ghastly crime against Islam. They should study the history of Islam and find out the real status of men and women who are source of completion for each other. Both are equal in the eyes of Islam and their duties and responsibilities are well defined in Islam.

We hope that the Muslim men and women will work together for the promotion of Islam and will translate Islamic values into practice in order to introduce this divine religion of Islam to the world in its real shape and will prove that Islam is fully capable of coping with the requirements of human society through all the ages and can successfully lead the people to salvation. ❑

Hazrat Imam Ali's Biography and Selected Portions from Historic *Farman* Addressed to his Commander-in-Chief Malik-e-Ashtar

It is very difficult to introduce a man like Imam Ali (A.S.) in this short article. Many people have written about his life and character. None of these are sufficient to introduce such a great man. Perhaps the best way to know him is to refer to the sayings of our beloved Prophet Mohammed, "peace be upon him", to study the history of Islam or to read his book "Nahjul-Balagha" from which this paper is selected.

The life of Imam Ali (A.S.) can be divided into three phases. In the first 23 years of his life (first phase) he struggled along with the prophet (PBUH) for the propagation of Islam and for the establishment of an Islamic government. In the second phase, consisting of about 25 years after the life of the Prophet, he remained silent in order to preserve the unity of the Islamic Ummat (nation). The final period, close to 5 years, he led the Islamic Ummat trying to establish Islamic justice. Unlike many revolutionaries who fight for justice and endanger their lives just to obtain leadership and then become conservative, Imam Ali (A.S.) remained a revolutionary throughout his life.

Prophet Mohammed (PBUH) once said, "I am the city of knowledge and Ali (A.S.) is its gate." Dr. George Gordagh in his book, "Ali, the Voice of Human Justice" says, "O, mother nature it would have been wonderful of you if you would have employed all your powers and potentials to once again give birth to a great man, a genius and a hero such as Imam Ali (A.S.)."

Dr. Ali Shariati, a contemporary Muslim writer speaks of Hazrat Imam Ali (A.S.) as follows:

"Ali was one spirit with many potentials.

He was the best in speech, on the pulpit.

He was the best in worship, at the alter.

He was the best of workers, in the farm.

He was the best in being faithful, with Mohammed.

He was the highest feeling of responsibility, in society.

He had the best writing, in Nahjul-Balagha.

He was the most pious, in life.

He was the most knowledgeable, in Islam.

He was the father of revolution, in time.

He was the example of justice, in government.

He was the best father and teacher of humanity, at home and...

He was the best obedient of God, always and everywhere."

Hazrat Imam Ali (A.S.) was born 30 years after the holy Prophet's birth. His father, Abu Talib was the prophet's uncle and his mother was Fatimah.

Abu Talib raised the Prophet after the death of his parents and grandfather, Abdul Motallib. The Prophet Mohammed cared for and loved Ali as a son. He grew up in an atmosphere of virtue and piety, which no other home could provide. This early training left a lasting effect on Ali's mind. It gave him a keen vision and a passionate love for truth. Above all, it made him a fearless fighter following the true path of Allah. These qualities of the Hazrat were later to prove a rare asset for Islam. He was the first youth to join the fold of Islam. He was only 9 years old when the prophet (PBUH) was called to the divine mission. Accepting Islam at an early age was a rare act of independent judgement for a boy especially in a society where idol worship prevailed. Ali grew up under the loving care of the Prophet and the faith. The night the holy Prophet was to leave for Madina, his house was surrounded by blood-thirsty men who were ready to kill him. Our holy prophet asked Ali to lie in his place in his bed and he himself left unnoticed. Ali gladly accepted

this suggestion and slept calmly in the Prophet's bed the whole night. He was happy that he had helped save the prophet's life.

Ali had very close blood ties with the holy prophet but the prophet wanted to bring him closer still. He gave his daughter Fatima in marriage to him. She was his youngest daughter and most dearly loved of all. Ali realised the honour that was done to him; he did not marry any one else as long as Fatima lived. Hasan and Husain were the sons of Ali and Fatima. The holy prophet loved them like his own sons. All actively took part in all the Islamic battles side by side with the holy prophet, Mohammed, except in the battle of Tabuk where the prophet decided to leave Ali in charge of Madina during his absence. This gave the hypocrites an opportunity to talk ill of Ali. When the prophet heard this he said, "O Ali, do you not like that we have the relationship as Aaron had with Moses?" The prophet's words silenced the hypocrites. During his last illness of the prophet, Ali was constantly by the prophet's. When the holy prophet passed away it was Ali assisted by his uncle, Abbas, who performed the last rights. Ali was one of the scribes of the revelations. Letters sent out by the prophet were also written by him. The three caliphs before Ali depended much on Ali's advice. Ali was killed in the Jami mosque of Kufa at the age of 63. Ibn Muljam hit him with a sword while he was telling people to get ready for prayer. Ali's wound was serious and he died the day after. At the last minute of his life he called upon his sons and gave them the advice, "O' my sons, always be truthful, be merciful and helpful to the people. Try to slay the oppressor and help the oppressed."

Ali was undoubtedly one of the greatest sons of Islam and the closest companion of the prophet. His understanding of the Quran was very deep. With him ended the great Islamic tradition of combining political power with self-imposed want and selfless service. Ali was the last representative of the truly democratic spirit of Islam and was also the last of the pious caliphs.

...Remember, Malik, that there are two kinds of people; those who have the same religion and they are your brothers and those who have other religions and they are human beings like you.

Malik-e-Ashter was a famous person during the time of the Imam. He was the head of the Bani Nukha's clan disciple, a companion of the Imam, a brave warriors, he acted as Commander-in-Chief of the Imam's armies. His valour earned him the name "Fearless Tiger". The Imam had specially trained him in the principles of administration and jurisprudence.

He venerated and loved the Imam sincerely; because of this he earned Moavia's enmity. Moavia intrigued against him and had him killed by his gang of paid murderers. His untimely death brought great sorrow to Imam who, expressing his grief, said, "He was to me, what I was to the Holy prophet".

The following instructions, in the form of a letter, were written to him by the Imam who was appointed Governor of Egypt in the place of Mohammed-Ibne-Abubaker.

This letter is a precise of the principles of administration and justice as dictated by Islam. It deals with the duties and obligations of rulers, their chief responsibilities, priorities of rights and obligations, dispensation of justice, control over secretaries and subordinate staff, distribution of work and duties amongst the various branches of administration and their co-ordination with each other's cooperation and oppression amongst the officers, to control markets, imports and exports, and to curb evils of profiteering, hoarding, and blackmarketing. He also explains the stages of the various classes of society, government duties towards the lowest class (the poor and have-nots), how they are looked after and how their conditions are improved. The principle of equal distribution of wealth and opportunities, orphans and their upbringing, care of the crippled and their maintenance, and substitutes in lieu of homes for the aged and disabled

are other subjects in this letter. Then he discusses the army, what it should consist and how ignorant, ruthless and corrupt mercenaries should not be allowed to make the army their profession. He lays great stress upon the honour and nobleness of volunteers who offer their services to defend the Islamic state. Finally, he comments on the rights of rulers over the ruled and the rights of the ruled over the rulers.

There is a predominant theme running through these instructions. It is that of God. The Government is of God, the governors and the governed are both creatures of God and their respective duties are laid down by God. He expects each one to fulfil his obligations and duties; the orphans and depressed are the trust of God; the army is the army of God, whose soldiers should not behave like haughty and arrogant mercenaries, but like honourable and noble knights. Everyone is expected to do his duty to the best of his ability and to be rewarded in Heaven accordingly.

In short, this letter is the gospel of the principles of administration as taught by Holy Quran and a code to establish a kind and benevolent rule, throwing light on various aspects of justice, benevolence and mercy. It is an order based on the ethics of a benign and pious rulership, where justice and mercy is shown to human beings irrespective of class, creed and colour, where poverty is neither a stigma, nor a disqualification, and where justice is not tarred with nepotism, favouritism, provincialism or religious fanaticism. Lastly, it is a thesis on the higher values of morality.

The famous Arab Christian jurist, poet and philosopher, Abdul maseeh-e-Anthaki, who died in the beginning of the 20th century, writes this letter is a far superior code than those handed down by Moses and Hamurabi. It explains what a human administration should be like and how it should be carried on. It justifies the claims of Muslims that Islam introduces a Godly administration of the people for the people for the people and by the people. It wants a ruler not to please himself but to bring happiness to the ruled. No religion before Islam tried to achieve this end. Ali should be congratulated for having produced these principles in his government and for having written them down for posterity.

> Men of either category suffer from the same weakness and disabilities that human flesh is heir to; they commit sins and indulge in vices, either intentionally or unintentionally without realising the enormity of their deeds. Let mercy and compassion come to their rescue and help in the same way that you expect God to show mercy and forgiveness.

An Order to the Commander-in-Chief, Malik-e-Ashter

In the name of the All Merciful and Kind God. These are the orders issued by the creatures of God. Ali, the son of Abu-Talib, to Malik, the son of Ashter.

...I order you Malik to always keep the fear of God in your mind, to give priority to His worship and to give preference to obey His Order. Carefully and faithfully follow the commandments and interdictions given in the Holy book and traditions of the Holy prophet (AS) because the success of man to attain happiness in this world and the next depends upon these qualities. Failure to achieve these attributions brings about total failure here and hereafter...

...Let it be known, Malik, I am sending you as a governor to a country which had seen many governments before. Some of them were benign, sympathetic and good, while many were tyrannical, oppressive and cruel. People will judge your government as critically as you have studied the activities of other governments; they will criticise you in the same way as you have censured or approved other rulers...

...You must know that a virtuous man is recognised by the good that is said about him and the praises which God has destined him to receive from others...

...Remember, Malik, that there are two kinds of people; those who have the same religion and they are your brothers and those who have other religions and they are human beings like you.

Men of either category suffer from the same weakness and disabilities that human flesh is heir to; they commit sins and indulge in vices, either intentionally or unintentionally without realising the enormity of their deeds. Let mercy and compassion come to their rescue and help in the same way that you expect God to show mercy and forgiveness...

...Malik, you must never forget that if you are ruler over them, then the Caliph is a ruler over you, and God is the supreme Lord over the Caliph. And the reality is that he has appointed you governor and tested you through responsibility of this rulership over them...

...Never say to yourself, "I am their Lord, their ruler and all in all over them, and I must be obeyed submissively and humbly." Such a thought will unbalance your mind, will make you vain and arrogant, will weaken your faith in religion and will make you seek the support of any power other than God's (perhaps that of your party or your government)...

...So far as your own affairs or those of your relatives and friends are concerned, take care that you do not violate the duties laid down upon you by God and usurp the rights of mankind...

...Remember that back-biters and scandal mongers are a mean and cunning group, though they pretend to be well wishers and sincere advisers. Do not believe the news they bring or the advice they offer...

...Gather honest, truthful and pious people around you as your companions and friends. Train them not to flatter you, and not to seek your favour by false praises. Flattery and false praise create vanity and conceit; they make one lose sight of his real self and his duties....

...The things which most gladden the heart of a ruler should be that his state is being ruled on the principles of equity and justice and that his subjects love him...

...So far as the dispensing of justice is concerned, you have to be very careful in selecting officers. You must select people of excellent character; superior calibre and meritorious record. They must possess the following qualifications; abundance of litigations and complexity of cases should not make them lose their temper. When they realise that they have committed a mistake in judgement they should not try to justify it. When the truth is made clear to them they should not consider it below their dignity to correct their mistake...

...So far as collection of land, revenues and taxes are concerned, you must always keep in mind the taxpayer's welfare, this is more important than the taxes themselves, because these taxes and the taxpayers are the original source on which the welfare of your state and its subjects depends...

...Remember Malik, if a country is prosperous and well-to-do then it will happily and willingly bear any burden. The poverty of people is the actual cause of the devastation of a country. The main cause of poverty is the desire of rulers and officers to amass wealth and possessions whether by fair or foul means. They are afraid of losing their positions and rule; they want to make the most of the shortest time at their disposal. They never learn lessons from the history of nations and never pay attention to the orders of God...

...Out of your work hours, fix a time for those who want to approach you with their grievances. During this time you should do no other work but to hear them and pay attention to their complaint...

...You must take care not to cut yourself off from the public. Do not place a prestige curtain between you and those over whom you rule. Such pretensions and show of pomp and pride are in reality manifestations of an inferiority complex and vanity. The result of such an attitude is that you remain ignorant of the conditions of your subject and actual causes of indecent happenings in the state...

...If your enemy invites you to sign a treaty acceptable to the Lord, then never refuse such an offer because peace will bring rest and comfort to your armies. It will relieve you from anxieties and worries, it will bring prosperity and abundance to your people...

...You must always try to remember the good and useful things done in the past, the activities of a just and benign government, the good deeds done by it, the good laws promulgated, the orders and traditions of the Holy prophet (AS), the orders of God given out in His Holy Book, and the things that you have seen me do or have heard me say. Follow the good actions and advices found therein.

❖ ❖ ❖

Ayatullah Taskhiri's Message

On the auspicious occasion of the birth anniversary of Hazrat Fatima Zehra (PBUH), which is celebrated as International Women's Day, the Chairman of the Culture and Islamic Relation Organisation Ayatullah Mohammed Ali Taskhiri issued a message to the women of the world especially the Muslim women.

Ayatullah Taskhiri, while extending his sincere greetings on the occasion, asserted that the Almighty has selected the model of good and bad person from amongst the women. The Holy Quran presents Asiya as an example of a good lady and the wives of Hazrat Nooh and Hazrat Loot as the examples of bad persons. But good ladies feel proud of following Hazrat Zehra, who is the leader of the world's women and posses such qualities which are essentially supposed to be emulated by all.

He further recited a verse from the Holy Quran, which proves that men and women are the source of completion for each other. He further described the significant qualities of Hazrat Zehra (PBUH) which converted her into such a model woman whose acts and action should be emulated by all.

Hazrat Fatima, while delivering her most important speech, praised the almighty in a most commendable manner and also reminded the Muslims of their duties and responsibilities after the death of her father Prophet Muhammed (PBUH) whose *shariat* was not limited to his life time but is to be followed till the day of resurrection.

He further said that Hazrat Fatima during her childhood remained with her father in Mecca and Abu-Talib valley and tolerated all kinds of inhuman and barbaric behaviour of the enemies of Islam. In her young age, she was married to Hazrat Ali, who had dedicated his life to the Divine cause and had continued his struggle in the way of the almighty till he breathed his last. Besides, Hazrat Zehra shouldered the responsibility of protecting Islam from the enemies and imparted necessary training to her sons and daughters about the ways and means of protecting Islam.

Ayatullah Taskhiri further asked the Muslim women, who are the true followers of Hazrat Zehra, to safeguard Islam from deviations and misconceptions all over the world. He further said that Muslim women all over the world, especially in Afghanistan, are being subjected to various kinds of inhuman oppressions and humiliation due to the misunderstandings about Islam and human problems. These Muslim women will not be liberated from the oppressive rulers unless the women of the world extend their helping hand to them.

Continuing, Ayatullah Taskhiri said that the present age is the age of cultural invasions. The expansionist elements are actively engaged in snatching the deep rooted faiths and confidences of the worlds nations with the aim of replacing the real Islamic models with the new westernised ones. Islam is the main target of such cultural attacks and invasions as enemies have a better idea of the capabilities of Islam. They are using the idea of liberation and freedom of women for their own benefits by imposing the western culture on the Islamic society, which could be possible only after detaching the Muslim ummah from their exalted models. This can be verified from the Beijing and Cairo declarations.

Ayatullah Taskhiri further reminded the Muslim women of their important duties and obligations during such a sensitive period of time and asked them to be more vigilant and alert. He further asked them to know of their justified rights conferred on them by Islam in order to give a befitting reply to the enemies of Islam and also to defeat their nefarious plans and designs against Islam and Islamic society which permit the Muslim women to participate in all kinds of social, economic, cultural and political infrastructures of the society in adherence with the tenets and principles of their esteemed religion. ❑

The last paragraphs of Dr. Ali Shariati's book

FATIMA is FATIMA

It is most difficult to speak about the personality of Fatima (A.S.). Fatima (A.S.) is the woman that Islam wants a woman to be. The concept of her visage is painted by The Prophet himself. He melted her and made her pure in the fire of difficulties, poverty, resistance, deep understanding and the wonder of humanity.

She is a symbol in all the various dimensions of being a woman.

The symbol of a daughter when facing her father.

The symbol of wife when facing her husband.

The symbol of a mother when facing her children.

The symbol of a responsible, fighting woman when facing her time and the fate of her society.

She herself is an Imam, a guide, that is, an outstanding example of someone to follow, an ideal type of woman and one who bears witness to any woman who wishes to "become herself" though her own choice.

She answers the question of how to be a woman with her wonderful childhood, her constant struggling and resisting on two fronts, inside and out, in the home of her father, in the home of her husband, in her society, in her thoughts and behaviour and in her life.

I do not know what to say. I have said a great deal. Still much remains unsaid.

In the expression of all of the amazing aspects of the great spirit of Fatima (A.S.), that which causes the most wonder in me, is this that Fatima is the travelling companion, steps in the same steps, flies together with the great spirit of Ali (A.S.), through the ascension of humanity towards completeness and the stages of the descent of the spirit and the psyche.

She was not just a wife to Ali. Ali (A.S.) looked upon her as a friend, a friend who was familiar with his pains and his great wishes. She was his endless refuge, the one who listened to his secrets. She was the only companion of his loneliness. This is why Ali (A.S.) looked at her with another look and also at her children.

> Fatima (A.S.) is a symbol in all the various dimensions of being a woman. The symbol of a daughter when facing her father. The symbol of wife when facing her husband. The symbol of a mother when facing her children. The symbol of a responsible... woman of her society.

The Prophet (PBUH) also saw her with different eyes. From among all of his daughters he would only discipline Fatima (A.S.). He only relies upon her. From an early age, she accepted the great invitation.

I do not know what to say about her. How to say it? I wanted to imitate the French writer who was speaking one day in a conference about the "Virgin Mary". He said, "For 1700 years all of the speakers have spoken of Mary. Fro 1700 years, all philosophers and thinkers of various nations of the East and West have spoken of the values of Mary. Fro 1700 years, the poets of the world have expressed all of their creative efforts and power in their praise of Mary. For 1700 years, all of the painters and artists have created wonderful works of art showing the visage and states of Mary. But the totality of all that has been said, thought and the efforts of all the artist throughout all of these many centuries were not able to sufficiently describe the greatness of Mary as these words, "Mary was the mother of Jesus Christ".

And I wanted to begin in this manner with Fatima. I got stuck. I wished to say, "Fatima is the daughter of the great Khadijeh (A.S.)". I sensed it is not Fatima. I wished to say, "Fatima is the daughter of Mohammad (PBUH)." I sensed it is not Fatima. I wished to say, "Fatima is the wife of Ali (A.S.)". I sensed it is not Fatima. I wished to say, "Fatima is the mother of Hasan (A.S.) and Hosein (A.S.)". I sensed it is not Fatima. I wished to say, "Fatima is the mother of Zainab (A.S.)". I still sensed it is not Fatima.

No, these are all true and none of them are Fatima. FATIMA is FATIMA. ❑

Visitation to Hazrat Fatima Zahra (A.S.)

Dr. S. Quayam Hussain

Peace be upon Muhammad and his progeny

O you who were tried;

Allah who created you, tried you before He created your being

He found you patient with that which He tried you with.

We claim that we are your followers, believing in you, and (believing and) bearing with everything that has been brought unto us by your father (PBUH), and that which his successor brought unto us.

Therefore, we beg you (now that we believe) to unite with both so that we may rejoice at being purified for following you.

Peace be upon you O daughter of the Messenger of Allah;

Peace be upon you O daughter of the Prophet of Allah;

Peace be upon you O daughter of the beloved of Allah;

Peace be upon you O daughter of the friend of Allah;

Peace be upon you O wife of the friend of Allah and the best of the creatures after the Messenger of Allah.

Peace be upon you O Mother of Al-Hassan and Al-Hussain,

who are the masters of the youth of Paradise

Peace be upon you O gratified and accepted one,

Peace be upon you who is spoken to by Angels, and who is knowledgeable;

Peace be upon you O Fatima, daughter of Allah's Messenger; and may the blessings and mercy of Allah be upon you and upon your soul and body.

He who gladdens you, gladden the Messenger of Allah.

He who deserts you, deserts the Messenger of Allah,

He who harms you, harms the Messenger of Allah,

He who bestows you bestows upon the Messenger of Allah,

and he who deprives you, deprives the Messenger of Allah.

❑

Development of Mosque Building in Iran

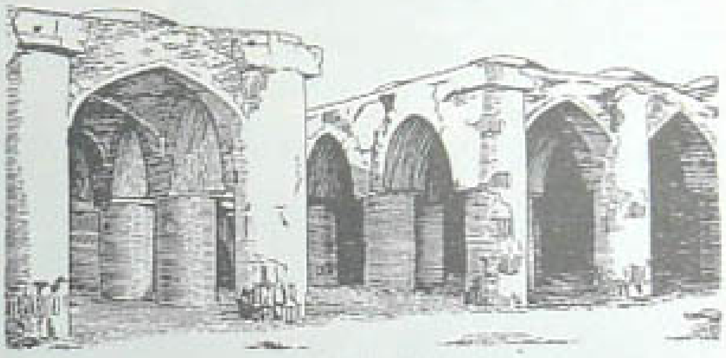

Dāmghān, Tārīk-khāna, façade.

The buildings which were constructed during the pre-Islamic period were almost destroyed but the buildings of Sasanids and Saljuqid period are still exist in various part of Iran. Following the arrival of Islam in Iran some of these buildings were converted into mosque after making certain modification especially during the Saljuqid period. These old mosques are of two kinds. The first category consist of the mosques which were made during the Sassanid period. Only two samples of such mosques are available one exist in "Yazd" and other one in "Damghan" city of Iran. The second category of mosque were built in accordance with the Iranian style of architecture.

These mosques have long verandas in order to facilitate the persons offering "Namaz" prayer. These mosques have big domes and four minarets on the four corners of the building. During Saljuqi period mosque having four verandas also built. The infrastructure of these mosques consist of one big dome, four minarets, one main gate, one large courtyard and the walls are decorated with tiles. In the centre of mosque a pulpit was also constructed to enable the leader of prayer address the fellow Muslims before the "Friday prayer". A room attached to these mosque was also constructed in some of the old mosque.

❑

Persian Literature in India

The writer of this article Prof. Jafar Raza of Allahabad University has given a brief account of the development .of Persian literature in India. More than half of the articles was published in the previous edition volume of this magazine and rest is included in this edition wherein he has critically appreciated the literature which has been produced during the period of Akbar. He has introduced the merits of Abul Faiz Faizi's poetry. He also discussed Urf-i Shirazi who was in fact an Iranian poet but is considered to be an Indian Persian poet. He also discussed some of the remarkable prose writing during the period of Akbar. Then he switched over the period of Jahangir and presented a brief account of the merits of Talib Amli who was the court poet of Jahangir. Besides, he also refered to some other valuable translation work like the

translation of Sanskrit "Ramayana" into Persian by Shaikh Saadullah and Malik Mohammad Jaisi's "Padmavat" by Mulla Abdul Shakoor Bazmi. ❑

The Philosophy of *Parda* in Islam

The writer of the article Prof. Mutahhari, who is considered to be a great philosopher and a well known scholar of Islam all over the world has always tried to present the true picture of Islam by successfully defending Islam from baseless allegation and also by removing the misconceptions about the tenets and principles of Islam. The anti Islamic forces, ever since the emergence of Islam, have always been actively engaged in denouncing. Islam on one or the other pretext but they were defeated and Islam spread all over the globe because of its extra ordinary teachings and everlasting values.

The so-called custodians of the rights of women in persuance their anti-Islamic plans and programmes, tried to denounce Islam by making this baseless propaganda that Islam does not provide freedom and independence to the Muslim women as it asks them to observe *Parda*. There is no doubt about the fact that *Parda* is essential for the Muslim women. But it does not refrain them from actively participating in all social, political, cultural, economic and educational programmes.

The author, in this article has presneted the philosophy of *Parda* system in Islam and its utility. Prof. Mutahhari, while defending the system, said that *Parda* saves the women from sexual harassments and exploitation, strengthen family relations, contributes in developing a strong human society and increases their honour and dignity. He further made it clear that Islam has never supported the idea of imprisoning the Muslim women within the four walls of their homes. Like men, they are free to participate in all social, political, educational, cultural and economic programmes of their choice by observing *Parda*, which will aefinitely add to their glory by protecting them from the enemies of human society, who raise the deceptive slogan of freedom and independence and exploit the sentiments of women community for their own petty benefits. (The full article is being published in the Urdu section of this magazine).

❑ ❑ ❑

Part-2

AN INTRODUCTION TO 'IRFAN

by Martyr Murtaza Mutahhari

Shari'ah, Tariqah and Haqiqah:

One of the important points of contention between the 'urafa' and the non- 'urafa', especially the jurisprudents, is the particular teaching of 'irfan regarding the Shari'ah, the *Tariqah* (the Way) and the *Haqiqah* (the Reality). Both agree in saying that the Shari'ah, the body of Islamic laws, is based upon a series of realities and beneficial objectives. The jurisprudents generally interpret these goals to consist of certain things that lead the human being to felicity, that is, to the highest possible level of benefit from God's material and spiritual favours to man. The 'urafa', on the other hand, believe that all the paths end in God, and that all goals and realities are merely the means, causes and agencies that impel the human being towards God.

The jurisprudents say only that underlying the laws of the Shari'ah is a series of benign objectives, that these objectives constitute the cause and spirit of the Shari'ah, and that the only way of attaining these objective is to act in accordance with the Shari'ah. But the 'urafa' believe that the realities and objectives underlying the laws of the Shari'ah are of the nature of stations and stages on the human being's ascent towards God and in the process of man's access to the ultimate reality.

The 'urafa' believe that the esoteric aspect of the Shari'ah is the Way, the *Tariqah*, at whose end is the Reality (*al-Haqiqah*), that is *tawhid* (in the sense mentioned earlier), which is stage acquired after the obliteration of the 'arif's self and his egoism. Thus the Gnostic believes in three things: the Shari'ah, the *Tariqah*, and the *Haqiqah*, and that the Shari'ah is the means to, or the shell of the *Tariqah*, and the *Tariqah* again is the means to or the shell of the kernel of *Haqiqah*.

We have explained how the jurisprudents view Islam in the lectures on kalam.1 They believe that the Islamic teachings can be grouped into three branches. The first of these is kalam, which deals with the principal doctrines (*usul al-aqa'id*). In matters related to the doctrines it is necessary for the human being to acquire, through reason, shackles belief and faith.

The second branch is ethics (*akhlaq*). It sets forth the instructions about one's duty in regard to ethical virtues and vices.

The third branch', fiqh, deals with the law (*ahkam*), which relate to our external actions and behaviour.

These three branches of Islamic teachings are separate from each other. The branch of *kalam* is related to thought and reason; the branch of *akhlaq* is related to the self, its faculties and habits; and the branch of fiqh is related to the organs and limbs of the body.

However, on the subject of doctrines, the 'urafa' do not consider merely mental and rational belief to be sufficient. They claim that whatever is to be believed in must be arrived at; one must strive to remove the veils between oneself and those realities.

Similarly, with respect to the second branch they do not consider ethics to be adequate on account of its being static and limited. In place of a philosophical ethics, they suggest a spiritual methodology (*sayr wa suluk*) with its particular composition.

Finally, in the third branch, they have not criticisms; only in specific instances of they express opinions that could, possibly, be taken as being opposed to the laws of fiqh.

These three branches are, therefore, termed by the 'urafa' as Shari'ah, *Tariqah*, and *Haqiqah*. Yet they believe that in exactly the same way as the human being cannot be divided into three sections, that is, the body, the self, and reason, which are not separate from each other and form an indivisible whole of which they constitute inward and outward aspects, so it is with the Shari'ah, the *Tariqah*, and the *Haqiqah*. One is outward shell, another is inward kernel, and the third is the kernel of the kernel. There is a difference, however, in that the 'urafa' consider the stages of human existence to be more than three; that is, they believe in a stage that tran-

scends the domain of reason. God willing, this shall be explained later.

The Origins of Islamic 'Irfan:

In order to understand any discipline or science, it is essential to study its history and the historical developments associated with it. One must also be acquainted with the personalities who have originated or inherited it and with its source books. In this lecture, and the fourth one, we will turn to these matters.

The first issue to arise is whether Islamic 'irfan is a discipline that originated in the Islamic tradition, such as fiqh, usul al-fiqh, tafsir, and 'ilm al-hadith. That is, is it one of those disciplines that were originated by Muslims who, having received in Islam the original inspiration, sources and raw material, developed them by discovering their rules and principles? Or is it one of those sciences that found their way into the Islamic world from outside, like medicine and mathematics, which were then developed further by the Muslims in the environment of Islamic civilisation and culture? Or is there a third possibility?

The 'urafa' themselves maintain the first of these alternatives, and are in no way ready to admit any other. Some orientalists, however, have insisted – and some still insist – on the second view that 'irfan and its subtle and sublime ideas have come into the Islamic world from outside. Sometimes they maintain a Christian origin for it, and claim that mysticism in Islam is the result of early contact of the Muslims with Christian monks. At other times they claim it to be a result of the Persians' reaction against Islam and the Arabs. Then again sometimes they make it entirely a product of Neo-Platonism, which itself was composed of the ideas of Plato, Aristotle and Pythagoras, influenced by alexandrian gnosticism and the views and beliefs of Judaism and Christianity. Sometimes they claim it to be derived from Buddhism. Similarly, the opponents of 'irfan in the Islamic world also strive to show the whole of 'irfan and sufism as being alien to Islam, and for this purpose they too maintain that gnosis has non-Islamic origins.

> On the subject of *tawhid*, the Holy Quran never likens God and the creation to a builder and a house. The Quran identifies God as the Creator of the world, stating at the same time that His Holy Essence is everywhere and with everything.

A third view admits that 'irfan, whether practical or theoretical, draws its primary inspiration and material from Islam itself; having taken this material, it has tried to give it a structure by devising certain rules and principles and in this process has also been influenced by external currents, specially the ideas of scholasticism and philosophy, especially of the Illuminationist school. Now there are a number of questions which arise in this context. Firstly, to what extent have the 'urafa' been successful in developing correct rules and principles for structuring their material? Have the 'urafa' been as successful in carrying this out as the jurisprudents? To what extent have the 'urafa' felt themselves bound not to deviate from the actual principles of Islam? And, similarly, to what extent has 'irfan been influenced by the ideas of outside traditions? Has 'irfan assimilated these external ideas by shaping them in its particular moulds, and used them in its development? Or, contrarily, have the waves of these foreign currents carried away 'irfan in their low?

Each of these questions requires a separate study and careful research. But that which is certain is that 'irfan has derived its basic sources of inspiration from Islam itself and form nowhere else. Let us consider this point.

Those who accept the first view, and to some extent also those who take the second view, see Islam as being a simple religion, popular and unsophisticated free of all sorts of mysteries and difficult or unintelligible profundities. To them, the doctrinal system of Islam rests on *tawhid* (monotheism), which means that just as a house has a builder other than itself, so the world has a transcendent Creator other than itself. Also, the basis of man's relationship with

the enjoyments of this world is, in their view, *zuhd* (abstinence). In their definition of *zuhd*, it means refraining from the ephemeral pleasures of this world in order to attain the everlasting enjoyments of the Hereafter. Besides these, there are a series of simple and practical rituals and laws that are handled by fiqh.

Therefore, in this group's view, that which the 'urafa' call *tawhid* is an idea that goes beyond the simple monotheism of Islam; for the 'arif's view of *tawhid* is existentialist monism in the sense that he believes that nothing exists except God, His Names, Attributes, and manifestations.

The 'arif's conception of the spiritual path (*sayr wa suluk*), likewise, they say, also goes beyond the *zuhd* enjoined by Islam, for the spiritual path of 'irfan involves a number of ideas and concepts – such as love of God, annihilation in God, epiphany – that not to be found in Islamic piety.

Similarly, the 'arif's concept of the *Tariqah* goes beyond the Shari'ah of Islam; for the practice of the *Tariqah* involves matters unknown to fiqh.

Furthermore, in the view of this group, the pious among the Holy Prophet's Companions whom the 'urafa' claim to be their precursors were no more than pious men. Their souls knew nothing of the spiritual path of 'irfan and its *tawhid*. They were simple otherworldly people who abstained from worldly pleasures and directed their attention to the Hereafter and whose souls were dominated by mixed feelings of fear and hope – fear of the punishment of Hell and hope of the rewards of Paradise. That is all.

In reality this view can in no way be endorsed. The primal sources of Islam are far more extensively richer than what this group out of ignorance or knowingly supposes. Neither the Islamic concept of *tawhid* is as simple and empty as they suppose, nor Islam limits man's spirituality to a dry piety, nor were the pious Companions of the Holy Prophet simple ascetics, nor is the Islamic code of conduct confined to the actions of bodily limbs and organs.

In this lecture, brief evidence will be produced that will suffice to show that Islam's fundamental teachings are capable of having inspired a chain of profound spiritual ideas, both in the theoretical and the practical realms of 'irfan. However, the question of the extent to which the Islamic mystics have used and benefited from Islam's fundamental teachings, and the extent to which they may have deviated, is one that we cannot go into in these short lectures.

On the subject of tawhid, the Holy Quran never likens God and the creation to a builder and a house. The Quran identifies God as the Creator of the world, stating at the same time that His Holy Essence is everywhere and with everything:

...فاينما تولوا فثم وجه الله...
... Withersoever you turn, there is the Face of God... (2:115)

...و نحن اقرب اليه من حبل الوريد
... And We are nearer to him than the jugular vein. (50:16)

هو الاول والاخر وظاهر والباطن...
He is the First and the Last, the Outward and the Inward;... (57:3)

Evidently, these kind of verses represent a call to the thinking minds to a conception of *tawhid* which goes beyond commonplace monotheism. A tradition of *al-Kafi* states that God revealed the opening verses of the Surat al-Hadid and the *Surat al-Ikhlas* because He knew that in future generations there will emerge people who will think profoundly about *tawhid*.

As to the spiritual path of 'irfan, in which a series of stages leading to ultimate nearness to God are conceived, it suffices to take into account the Quranic verses which mention such notions as *liqa' Allah* (meeting with God), *ridwan Allah* (God's good pleasure), or those which relate to revelation (*wahy*), *ilham* (inspiration), and the angels' speaking to others who are not prophets for instance, Mary and speaking to others who are not prophets – for instance, Mary – and especially the verses relating to the Holy Prophet's Ascension (*mi'raj*; 17:1).

In the Quran there is mention of the 'commanding self' (*al-nafs al-'ammarah*; 12:53), the 'self-accusative self' (*al-nafs al-lawwamah*; 75:2), and the 'contented self' (*al-nafs al-mutma'innah*; 89:27). There is mention of 'acquired knowledge' (*al-'ilm al-'ifadi*) and inspired knowledge (*al-'ilm al-ladunni*; 18:65), and of forms of guidance resulting from spiritual struggle:

والذين جاهدوافينا لنهدينهم سبلنا...
And those who struggle in Us, We will surely guide them to Our paths... (29:69)

To be contd.

We broke the pride of both the eastern and western super powers at the battle field.

Imam Khomeini

We have never been a war loving nation but we do think of our defence, as we are alive and wise.

Ayatullah-ul-Uzma Khamenei

ان جنگ میں مشرق ومغرب کی بڑی طاقتوں

کردیا۔ (امام خمینیؒ)

تھے اور نہ آج جنگ پسند ہیں

کی فکر ضرور ہے کیونکہ ہم زندہ اور

آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای

RAH-E-ISLAM

(*Urdu Monthly*) R.N.I. No.49147/88

No.173-174, Sep-Oct.1998

اسلامی جمہوریہ ایران میں مسلمان خواتین کی سرگرمیوں کی ایک جھلک

* * *

The activities of the Muslim women in Iran at a glance